علمی، ادبی، دینی، وتبلیغی رسالہ

ماہنامہ

اذانِ بلال

آگرہ

جلد ۳۷

شمارہ: ۷، ۸

ذی الحجہ، محرم الحرام ۱۴۴۶، ۴۷ھ مطابق جولائی، اگست ۲۰۲۵ء

مدیر: ابوالبرکات مظاہری

بیادگار

حضرت مولانا مفتی محمود الحسن گنگوہیؒ

سرپرست

حضرت مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی

ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ

موبائل نمبر: 9557358285

9411401142

فون: ۰۵۶۲_۲۵۲۰۷۴۸

زرتعاون ہندوستان سے

فی شمارہ............۲۵/روپے

سالانہ..........۲۵۰/روپے

خصوصی.........۲۰۰۰/روپے

سہ سالہ.........۷۵۰/روپے

لائف ممبری....۱۰۰۰۰/روپے

بیرون ممالک

۵۰/امریکی ڈالر کے مساوی

مجلس ادارت

اساتذۂ دارالعلوم آگرہ

اس دائرہ میں سرخ نشان علامت ہے کہ آپ کی مدتِ خریداری ختم ہوگئی، آئندہ کے لئے براہِ کرم رقم ارسال فرمادیں

خط وکتابت کا پتہ: منیجر ''اذان بلال'' دارالعلوم آگرہ محلہ پیر جیلانی آگرہ۔۴

اس شمارے میں

نمبر شمار	فہرست مضامین	مضمون نگار	صفحہ
١	اسلاف کا بلند پایہ اور پاکیزہ ورثہ	حضرت مولانا رابع حسنی ندویؒ	۵
٢	سڑکوں کا ناجائز استعمال	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	۸
٣	رحلتِ رسول	مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ	١۴
۴	فقہ وفتاوی	مفتی احمد صاحب خانپوری	٢٠
۵	ایک جامع نظام تعلیم کی ضرورت	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب	٢٨
٦	اسلام میں وضع قطع کی اہمیت	از ماہنامہ الفاروق	۴١
	اسمائے حسنٰی کے معارف	پیر ذوالفقار احمد نقشبندی	۴٧
	خبرنامہ	ادارہ	۵٨

Printed at : Rabbani Printers Katra Sheikh Chand Lal Kuan Delhi.110006
Published by:Abul Barakaat Mazahiri Darul Uloom Agra Peer Jilani Agra-4.

مضمون نگار کی ہر بات سے ادارہ ''اذان بلال'' کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔ ادارہ

پرنٹر پبلیشر ابوالبرکات مظاہری نے ربانی پرنٹرس کٹرہ شیخ چاند لال کنواں دہلی سے چھپوا کر ''دفتر اذان بلال'' دار العلوم آگرہ محلہ پیر جیلانی آگرہ نمبر۔۴۔ یوپی (انڈیا) سے شائع کیا۔

اسلاف کا بلند پایہ اور پاکیزہ ورثہ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ

نوجوانوں کی نسل اپنی نفسیاتی خصوصیات میں بڑی نسل سے خاصی مختلف ہوتی ہے۔اس کے تقاضے اوراس کی دشواریاں علاحدہ نوعیت کی ہوتی ہیں۔اس کوایک طرف زندگی کے تجربات حاصل کرنے ہوتے ہیں اور دوسری طرف اس کے جذبات کے تقاضے الگ ہوتے ہیں۔وہ معاشرے کے اندر تنہا بھی نہیں ہوتی ہے، بلکہ مختلف عمر کے انسانی نسلوں کے درمیان ہوتی ہے۔ چنان چہ اس سے اس کے مسائل میں مزید اضافہ ہوتا جاتا ہے اوراس کے تقاضوں کا خیال رکھنا اوران تقاضوں کے مطابق اس کی ترقی اوراس کا تہذیبی اوراخلاقی تربیت اور تشکیل مزید توجہ کی محتاج ہوتی ہے۔

انسان کی زندگی کا آغاز اس کے اس زندگی سے واسطہ پڑنے کا پہلا مرحلہ ہوتا ہے، ہر چیز اس کے لیے نئی ہوتی ہے جس سے واقفیت کا اس کا تجربہ نیا ہوتا ہے وہ اس تجربے سے شوق اور دلچسپی لیتا ہے اوران میں سے جو تجربہ اس کی دلچسپی کا ہوتا ہے وہ اس سے زیادہ وابستہ ہوجاتا ہے۔ دوسری طرف اس کے بڑے اور مخلص جو اس طرح کے تجربوں سے گزر چکے ہوتے ہیں، وہ اس کی دلچسپی کو ضرورت اور مصلحت کی مقدار میں محدود کرنا چاہتے ہیں، ان کی نظر میں اس کے مستقبل کے تقاضے اور مصلحتیں ہوتی ہیں، اس کے مقابلے میں اس نئی نسل کے افراد میں اپنے نئے تجربے اور نیا شوق ودلچسپی ہوتی ہے۔ دونوں نسلوں کا یہ فرق بعض وقت پیچیدگی پیدا کردیتا ہے۔ایک طرف انسانی آزادی اور مساوات کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ کسی پر دباؤ نہ ڈالا جائے، اور اس کو اس کی مرضی کے خلاف نہ چلا جائے، دوسری طرف تجربہ کاروں اور خیر وشر کے معاملات سے واقف لوگوں کی یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ اپنے بعد آنے والوں کو اس راستے پر چلائیں جس کی خوبی وافادیت ان کے علم وتجربے میں آچکی ہے، دونوں نسلوں کے نقطہ نظر میں یہ فرق نظام

تعلیم وتربیت طے کرنے والوں پر ایک مشکل ذمہ داری ڈال دیتا ہے جس کے پورا کرنے میں کوتاہی یا ناکامی سے پوری قوم کو دشواریاں پیش آتی ہیں۔

یہ ذمہ داری ایسے حالات میں خاص طور پر زیادہ پیچیدہ ہو جاتی ہے جو تہذیبوں اور مقاصد کے ٹکراؤ کے حالات ہوتے ہیں اور یہ حالات ہماری مشرقی قوموں کو گذشتہ دو صدیوں سے پیش آ رہے ہیں، اوران کی وجہ سے نئی نسلوں کی تربیت وتشکیل میں یک جہتی اوراس کے لیے فطری اوراصولی تقاضوں کی رعایت بہت مشکل ہوگئی ہے۔

مغربی تہذیب وتمدن نے ایک طرف زندگی کی وسائل اور زندگی کی ظاہری دلچسپیاں اور ترقیات بہت بڑھادی ہیں اور دوسری طرف مشرق ومغرب کا جوفرق ہے اس کی رعایت ختم کردی ایک طرف مشرق کے قومی اقدار اوراس کے مذہبی تقاضے اوراس کے فطری حالات ہیں، دوسری طرف مغرب کی ترقیات اوران سے زندگی کو فائدہ پہنچانے والا منافع ہے، مشرقی زندگی کا تقاضا یہ کہتا ہے کہ اس کی زندگی اس کی فطری اورقومی خصوصیات کی رعایت کے ساتھ تشکیل دی جائے لیکن مغرب سے حاصل ہونے والے پیمانے اس کوان کی رعایت کی اجازت نہیں دیتے، اس سے ایک ٹکراؤ اور تضاد کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، نوجوانوں کے مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں کی یہ ذمہ داری اس مذکورہ بالا صورت میں مشکل اور پیچیدہ ذمہ داری بنجاتی ہے، ہم کو نوجوانوں کے مسائل پر غور کرتے وقت اور ان کے حل کے لیے تدابیر اختیار کرتے وقت اس پیچیدگی کو ضرور سامنے رکھنا چاہیئے، خاص طور پر مسلمانوں کے دائرے میں کہ جن کی زندگی کے طور وطریق اوراس کے تقاضوں اورضرورتوں کی رعایت کا لحاظ جامع اور متوازن انداز میں ان کو دیا گیا ہے، جو ان کی ترقی اور طلب کمال کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتا، اور پیچیدگیوں کا مناسب حل رکھتا ہے۔ اسلام میں نوجوانوں کے انسانی تقاضوں کا لحاظ رکھا گیا ہے اور پھر ان کے مستقبل کی فلاح وصلاح کے مقاصد کو اس کی صحیح اہمیت دی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس دنیاوی زندگی کے بعد آنے والی آخرت کی

زندگی کی کامیابی کو پوری اہمیت دی گئی ہے اور اسی کے لیے ضروری ہدایات دی گئی ہیں۔

قرآن کریم اور حدیث شریف میں نئی نسل اور نوجوانوں کی صحیح اور مناسب تربیت کے لیے پوری ہدایات ملتی ہیں۔ دراصل اس سلسلے میں تین پہلوؤں کی رعایت کرنا ہوتی ہے۔ ایک پہلو نفسیاتی ہے کہ نوخیز اور نوعمر فرد کے تقاضے اور فطری خصوصیات کیا ہوتی ہیں۔ دوسرے اپنے پروردگار کو راضی کرنے اور اس کے حکم کے مطابق عادات واطوار اختیار کرنے کے لیے کیا ضروری ہے، اور تیسرے یہ کہ ایک باعزت اور کامیاب انسان بننے کے لیے اس کو کن امور کی تلقین اور اس کے مطابق تربیت دینا مناسب ہے۔

ان تین پہلوؤں میں سے پہلے پہلو کے لیے نفسانی مطالعہ اور اہل علم کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ دوسرے پہلو کے لیے مذہبی کتابوں اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایت سے اور آپ ﷺ کے خود عمل سے روشنی حاصل کرنا ضروری ہے اور تیسرے پہلو کے لیے شریف انسانوں کے طبقے زندگی کی قدروں اور بہتر انسانی معاشرے کے مقاصد کی بنیاد پر طے کیا جاتا ہے۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ مغربی تہذیب نے مذکورہ تین پہلوؤں میں سے پہلے پہلو کو ساری اہمیت دے دی ہے اور دیگر پہلوؤں کو نظر انداز کر دیا ہے، خاص طور پر اپنے پروردگار کو راضی رکھنے اور اس کے احکام پر عمل کرنے کے پہلو کو تو بالکل نا قابل اعتنا قرار دے دیا ہے۔ اس کی وجہ سے نوخیز نسل ایسے کردار اور قدروں کی تیار ہو رہی ہے جو اسلاف کے طریقے کے بھی خلاف ہے اور مذہب کے ہدایت کردہ کردار اور اخلاق کے بھی منافی تشکیل پا رہی ہے۔

ہم کو اس معاملے میں بڑی توجہ وفکر کی ضرورت ہے تا کہ اپنے اسلاف کا بلند پایہ اور پاکیزہ ورثہ اپنے بعد آنے والی نسلوں کو صحیح طور پر منتقل کر سکیں اور ان کی تشکیل ان نیک اقداروں پر کر سکیں جو بلند پایہ انسانی زندگی کے شایان شان ہے۔ ☆☆☆

سڑکوں کا ناجائز استعمال

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

دھیان نہ ہوتو انسان یہ جانے بغیر غلطیاں کرتا چلا جاتا ہے کہ اس سے کوئی غلط کام سرزد ہورہا ہے، اسی خیال کے پیش نظر میں نے پچھلے مضامین میں یہ بات شروع کی تھی کہ کسی دوسرے کی چیز کا ایسا استعمال ہو جو اس کی خوش دلانہ مرضی کے خلاف ہو، آں حضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق حرام ہے، اس کی کچھ ایسی مثالیں عرض کی گئی تھیں جن کی طرف عام طور سے دھیان نہیں ہوتا، بعض دوستوں نے بتایا کہ واقعی پہلے اس پہلو کی طرف توجہ نہیں تھی کہ یہ کام دینی اعتبار سے کوئی گناہ بھی ہیں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر اس خامہ فرسائی کے نتیجے میں کسی ایک فرد کے دل میں بھی غلط کام کے غلط ہونے کا احساس پیدا ہو جائے یا کسی ایک کا ضمیر بھی جاگ جائے تو ان مضامین کی قیمت وصول ہے۔

اب اسی سلسلے میں ایک اور پہلو مزید توجہ کا طالب ہے، جو چیزیں کسی شخص کی ذاتی ملکیت میں ہوتی ہیں ان کے بارے میں تو تھوڑا بہت احساس لوگوں کو ہو بھی جاتا ہے، لیکن جو چیزیں ''سرکاری املاک'' کہلاتی ہیں، ان کے بارے میں واقعی ''مال مفت دل بے رحم'' کی مثل صادق آتی ہے۔ ان پر قبضہ کر لینا ان کو خلافِ قانون استعمال کرنا یا بے دردی سے استعمال کرنا ایسی عام بات ہوگئی ہے، جس پر انگلیاں بھی نہیں اٹھتیں، حالاں کہ سرکاری اشیاء براسر اقتدار افراد کی ملکیت نہیں ہوتیں، پوری قوم کی ملکیت ہوتی ہیں، اور ان کا ناجائز استعمال صرف کسی ایک شخص کی نہیں سارے عوام کی حق تلفی ہے، اور یہ ''حقوق العباد'' کا اتنا خطرناک شعبہ ہے کہ اس میں اگر کوئی حق تلفی ہو جائے تو اس گناہ کی معافی انتہائی مشکل ہے، اس لیے کہ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، حقوق العباد کے گناہ صرف توبہ اور استغفار سے معاف نہیں ہوتے، بلکہ ان کی معافی

کے لیے اس شخص کا معاف کرنا ضروری ہے جس کا حق پامال کیا گیا، اب اگر وہ شخص ایک ہو اور معلوم ہو تو اس سے معافی مانگی جاسکتی ہے، لیکن سرکاری املک کے حق دار چوں کہ سارے عوام ہیں اس لیے اگر کبھی ندامت اور توبہ کی توفیق ہو تو آدمی کس کس سے معافی مانگتا پھرے گا؟ یہ بات مدنظر رکھتے ہوئے ان چند تصرفات پر غور فرمائیے جو ہمارے معاشرے میں بری طرح پھیلے ہوئے ہیں۔

(ا) سرکاری زمینوں پر تجاوزات اسی قسم کے غاصبانہ کارروائی ہے جس کا تعلق حقوق العباد کے اس سنگین شعبے سے ہے، ہمارے علماء نے فقہ کی کتابوں میں اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ جس شخص کا مکان سڑک کے کنارے واقع ہو، وہ اپنی کھڑکی پر سائبان لگاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر لگاسکتا ہے تو زیادہ سے زیداہ کتنا لمبا چوڑا؟ حالاں کہ سائبان لگانے سے زمین کے کسی حصہ پر قبضہ نہیں ہوتا، بلکہ فضا کا بہت تھوڑا سا حصہ استعمال ہوتا ہے، نیز یہ مسئلہ بھی فقہاء کے یہاں زیر بحث آیا ہے کہ جس شخص نے عام لوگوں کی گذرگاہ پر راستہ روک کر دکان لگالی ہو اس سے کوئی چیز خریدنا جائز ہے یا نہیں؟ بعض فقہاء کہتے ہیں کہ اس شخص نے چوں کہ عوام کا حق غصب کر رکھا ہے لہذا اس سے خریدنا جائز نہیں، بعض دوسرے فقہاء اگر چہ اس حد تک نہیں گئے، لیکن انہوں نے یہ کہا کہ اگر امید ہو کہ سودا نہ خریدنے سے اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوگا اور وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائے گا تو اس سے واقعی سودا نہ خریدنا چاہئے، اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اسلامی قانون تجاوزات کے بارے میں کتنا حساس ہے؟

ہمارے معاشرے میں تجاوزات کوئی قابل ذکر عیب ہی نہیں رہے جس کا جی چاہتا ہے وہ اپنے مکان یا دکان کے گرد یا پوری کی پوری سرکاری زمین پر قبضہ جما کر بیٹھ جاتا ہے، بلکہ ہمارے گردوپیش میں جس طرح یہ تجاوزات پھیلے ہوئے ہیں ان میں ایک نہیں کئی کئی گناہ بیک وقت جمع ہیں، اول تو عوامی زمین پر ناجائز قبضہ ہی بڑا سنگین گناہ ہے، دوسرے عموماً ان تجاوزات

سے راستہ چلنے والوں کو بڑی تکلیف ہوتی ہے، اور راہ گیروں کے راستے میں رکاوٹ پیدا کرنا ایک مستقل گناہ ہے، جس پر حدیث میں سخت وعید آئی ہے، تیسرے ہمارے ماحول میں یہ تجاوزات رشوت خوری کے فروغ کا بہت بڑا ذریعہ بنی ہوئی ہیں کیوں کہ انہیں باقی رکھنے کے لیے متعلقہ اہلکار کو ''بھتہ'' دینا پڑتا ہے، اور یہ بھتہ ایک مرتبہ دینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ ہفتہ وار ماہانہ تنخواہ کی طرح اس کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے اہلکار دل سے یہی چاہتے ہیں اور اس کی پوری کوشش بھی کرتے ہیں کہ یہ تجاوزات ختم نہ ہوں، تا کہ ان کی ''آمدنی'' کا یہ ذریعہ بند نہ ہونے پائے، لہٰذا ان کو اپنے فرائض سے غافل کرنے بلکہ فرائض کے برعکس کام کرنے کا گناہ بھی اس میں شامل ہو تو بعید نہیں۔

(۲) اس طرح ہمارے ملک میں یہ بھی عام رواج ہوگیا ہے کہ جلسوں اور تقریبات کے لیے چلتی ہوئی سڑک روک کر شامیانے اور قناتیں لگالی جاتی ہیں، اور اس کے نتیجے میں آنے جانے والی گاڑیوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور ٹریفک کے نظام میں بعض اوقات شدید خلل واقع ہوجاتا ہے، یہ بات ہر مسلمان جانتا ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو تو اس کے سامنے سے گذرنا جائز نہیں، اور احادیث میں اس بات کی سخت تاکید کی گئی ہے کہ کوئی بھی شخص کسی نمازی کے سامنے سے نہ گذرے، لیکن ساتھ ہی شریعت نے نماز پڑھنے والے کو یہ بھی ہدایت کی ہے کہ وہ ایسی جگہ نماز پڑھنا شروع نہ کرے جہاں لوگوں کو گذرنے میں دشواری ہو، مثلاً مسجد کا صحن اگر کھلا ہوا ہے تو صحن کے بیچوں بیچ یا اس کے آخری سرے پر نماز کے لیے کھڑے ہوجانا اس صورت میں جائز نہیں جب سامنے لوگوں کے گذرنے کی جگہ ہو اور نماز شروع کرنے کی وجہ سے انہیں لمبا چکر کاٹ کر جانا پڑتا ہو، لہٰذا حکم یہ دیا گیا ہے کہ ایسی جگہ نماز پڑھو جہاں یا تو سامنے کوئی ستون وغیرہ ہو جس کے پیچھے سے لوگ گذر سکیں یا سامنے نمازی ہی کی صفیں ہوں۔ اگر کوئی شخص اس ہدایت کا خیال نہ رکھے اور صحن کے بیچوں بیچ نماز پڑھنے کھڑا ہوجائے تو یہاں

تک کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں کوئی شخص نمازی کے سامنے سے گذرنے پر مجبور ہو جائے تو اس کے گذرنے کا گناہ نماز پڑھنے والے پر ہوگا سامنے سے گذرنے والے پر نہیں۔

غور فرمایئے کہ مسجدیں عموماً بہت بڑی نہیں ہوتیں، اور اگر کسی شخص کو چکر کاٹ کر نکلنا پڑے تو اس کے ایک دومنٹ سے زیادہ خرچ نہیں ہوتے، لیکن شریعت نے اس ایک دومنٹ کی تکلیف یا تاخیر کو بھی گوارا نہیں کیا، اور نمازی کو تاکید فرمائی ہے کہ وہ لوگوں کو اس معمولی تکلیف سے بھی بچائے ورنہ گناہ گار وہ خود ہوگا۔

جب شریعت کو یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی شخص ہماری وجہ سے اس معمولی تکلیف میں مبتلا ہو تو سڑک کو بالکل بند کر کے لوگون کو دور کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کرنا کس طرح جائز ہوسکتا ہے؟ بالخصوص آج کی مصروف زندگی میں اگر کسی شخص کو اپنی منزل مقصود تک پہنچنے میں چند منٹ کی تاخیر بھی ہو جائے تو بعض اوقات اس کو نا قابل تلافی نقصان پہنچ جاتا ہے، کسی بیمار کو اسپتال پہنچانا ہو یا کسی بیمار کے لیے دوا لے جانی ہو یا کوئی مسافر ریلوے اسٹیشن یا ہوائی اڈے پہنچانا چاہتا ہو یا کسی بیمار کے لیے دوا لے جانی ہو یا کوئی مسافر ریلوے اسٹیشن یا ہوائی اڈے پہنچنا چاہتا ہو، اور ہمارے جلسے یا تقریب کی وجہ سے اسے پانچ یا دس منٹ کی تاخیر ہو جائے تو کہنے کو یہ تاخیر پانچ دس منٹ کی ہے، لیکن اس تاخیر کی نتیجے میں بیمار رخصت بھی ہوسکتا ہے مسافر اپنے سفر سے بالکلیہ محروم بھی ہوسکتا ہے، اور جن جن لوگوں کو اس طرح کا نقصان پہنچا ہو ہمیں نہ ان کا نام معلوم ہے نہ پتہ، اور نہ نقصان کی نوعیت، لہذا اگر اس گناہ کی تلافی کرنا بھی چاہیں تو اس کا کوئی راستہ اختیار میں نہیں، ذاتی طور پر مجھے تو ان جلوسوں کا شرعی جواز بھی مشکوک معلوم ہوتا ہے جو گھنٹوں کے لیے آمد و رفت کا نظام درہم برہم کر کے عام لوگوں کو نا قابل بیان اذیتوں میں مبتلا کر دیتے ہیں، کیوں کہ یہ ساری خرابیاں ان میں بھی بہ درجہ اتم موجود ہیں۔

(۳) یہ مناظر بکثرت دیکھنے میں آتے ہیں کہ سڑکوں کو کرکٹ کا میدان بنالیا جاتا ہے، اور

سڑک کے بیچوں بیچ وکٹ یا وکٹ نما کوئی چیز نصب کر کے با قاعدہ کھیل شروع ہو جاتا ہے، آس پاس کی ہر کھڑی یا چلتی ہوئی گاڑی بیٹسمین کے چوکوں کی زد میں ہوتی ہے، اور گیند کے پیچھے دوڑتے ہوئے فیلڈر آنے جانے والی گاڑی کی زد میں، یہ منظر گلیوں اور چھوٹی سڑکوں پر تو نظر آتا ہی رہتا ہے، لیکن کچھ عرصے پہلے دیکھا کہ ایک ایسے مین روڈ پر با قاعدہ میچ ہو رہا تھا جہاں عام طور سے گاڑیاں ساٹھ ستر کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے دوڑتی ہیں، یہ عوامی سڑک کا سراسر ناجائز استعمال تو ہے ہی خود کھیلنے والوں کے لحاظ سے بھی اقدام خودکشی سے کم نہیں، گیند کے پیچھے دوڑنے والے کے تمام تر ہوش وحواس گیند پر مرکوز ہوتے ہیں، اور وہ یکا یک پیش آجانے والی کسی صورت حال کی وجہ سے اپنے جسم کو کنٹرول کرنے پر قادر نہیں ہوتا، لہذا اچانک کوئی گاڑی سامنے آجائے تو کوئی بھی حادثہ پیش آسکتا ہے، اور اس قسم کے حادثات پیش آ بھی چکے ہیں، اور جب اس کھیل کے نتیجے میں جانیں تک چلی گئی ہیں تو گاڑیاں اور ان کے شیشے ٹوٹنے کا کیا شمار؟

اس صورت حال کی ذمہ داری ان نوعمر کھیلنے والوں سے زیادہ ان کے والدین، سرپرستوں اور ان سرکاری کارندوں پر عائد ہوتی ہے جو انہیں اس خطرناک کھیل میں مصروف دیکھتے ہیں، اور اس سے باز رکھنے کی کوشش نہیں کرتے، دوسری طرف بڑے بڑے شہروں میں کھیل کے میدانوں کی کمی بھی اس صورت حال کا سبب ہے جس کی طرف حکومت کو توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

(۴) سڑکوں پر بے جگہ گاڑیوں کی پارکنگ بھی ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں ہم انتہائی بے حسی کا شکار ہیں چھوٹی گاڑیاں تو ایک طرف رہیں بڑی بڑی ویگنیں اور بسیں بھی ایسی جگہ کھڑی کر دی جاتی ہیں کہ آنے جانے والوں کا راستہ بند ہو جاتا ہے، یا گذرنے والوں کو سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، چوں کہ ہم نے دین کو صرف نماز روزے ہی کی حد تک محدود کر رکھا ہے، اس لیے یہ عمل کرتے وقت کسی کو یہ دھیان نہیں آتا کہ وہ محض با قاعدگی کا نہیں بلکہ ایک ایسے

بڑے گناہ کا مرتکب ہورہا ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے، اول تو جس جگہ پارکنگ ممنوع ہے اس جگہ گاڑی کھڑی کردینا اس عوامی جگہ کا ناجائز استعمال ہے، جو غصب کے گناہ میں داخل ہے، دوسرے حاکم کے ایک جائز حکم کی خلاف ورزی ہے، تیسرے اس بے قاعدگی کے نتیجے میں جس جس شخص کو تکلیف پہنچے گی، اسے تکلیف پہنچانے کا گناہ الگ ہے اس طرح یہ عمل جو غفلت اور بے دھیانی کے عالم میں روزمرہ ہوتا ہے، بیک وقت کئی گناہوں کا مجموعہ ہے، جس پر دنیا میں چالان ہو یا نہ ہو، آخرت میں ضرور باز پرس ہوگی۔

اسی طرح بعض جگہ پارکنگ قانوناً ممنوع نہیں ہوتی، لیکن گاڑی اس انداز سے کھڑی کردی جاتی ہے کہ آگے پیچھے کی گاڑیاں سرک نہیں سکتیں، یا گذرنے والوں کو کوئی اور تکلیف پیش آتی ہے، یہ عمل بھی دینی اعتبار سے سراسر ناجائز اور گناہ ہے۔

ہماری فقہ کی قدیم کتابیں اس زمانے میں لکھی گئی ہیں جب خود کار گاڑیوں (آٹو موبائلز) کا رواج نہیں تھا، اور سفر کے لیے عموماً جانور استعمال ہوتے تھے، اس لیے ٹریفک کا نظام اتنا پیچیدہ نہیں تھا جتنا آج ہے، اس کے باوجود ہمارے فقہائے کرام نے سڑکوں پر چلنے اور گاڑیوں کے ٹھہرانے کے بارے میں شرعی احکام کی تفصیل نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کی ہے، اور اس سے اسلامی تعلیمات کی ہمہ گیری کا بھی اندازہ ہوتا ہے، اور اس بات کا بھی کہ اسلام میں نظم وضبط اور حقوق العباد کی کتنی اہمیت ہے؟ اس کا تقاضا یہ ہے کہ بحیثیت مسلمان ہمارا نظم وضبط اور ہماری تہذیب وشائستگی مثالی ہو، لیکن افسوس ہے کہ اپنی غفلت اور بے دھیانی کی وجہ سے ہم اس قسم کے بے شمار گناہ روزانہ اپنے نامۂ اعمال میں شامل کرکے اپنی آخرت بھی خراب کررہے ہیں، اور دنیا بھر کو اپنے بارے میں وہ تاثر بھی دے رہے ہیں جو نہ صرف ہم سے نفرت کا باعث بنتا ہے بلکہ اسلام کی چمکتی ہوئی تعلیمات پر ہماری بدعلمی کا نقاب ڈال دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ دین کا صحیح حسن دیکھنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔☆☆☆

رحلت رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت مولانا اخلاق حسین قاسمی دہلویؒ

غزوۂ احد (۳ھ) کے موقعہ پر رسول پاک ﷺ دشمنوں کے حملہ سے زخمی ہوئے اور آپ کے ستر کے قریب بہادر ساتھیوں نے جامِ شہادت نوش کیا۔ احد کے اس حادثہ پر منافقینِ مدینہ نے یہ پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سچے نبی ہوتے تو خدا دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی حفاظت کرتا۔

ایک طرف مسلمانوں کو اتنے بڑے جانی نقصان کا صدمہ اور دوسری طرف منافقین کی طعنہ بازی کا تکلیف دہ احساس۔ اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کے لیے تسلی کا یہ پیغام آیا۔

وما محمد الا رسول الخ محمد اللہ کے رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی رسول آئے اور اپنا کام انجام دے کر رخصت ہوگئے تو اے مسلمانو! اگر یہ رسول آخری بھی رخصت ہو جائیں یا بالفرض جامِ شہادت نوش کرلیں تو تو کیا تم لوگ گمراہی کی طرف لوٹ جاؤ گے؟

لیکن سمجھ لو کہ تم اس طرح خدا تعالیٰ کے دین برحق کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ دین برحق مکمل ہو کر رہے گا۔ خدا کا شکر ادا کرو کہ تم اس دین کی دولت سے سرفراز کئے گئے۔ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار بندوں کو اچھا بدلہ عطاء کرے گا (سورۂ آل عمران ۱۴۴)

اس پیغام وحی نے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا کہ ایک نہ ایک دن رسول آخر الزماں کی جدائی کا صدمہ برداشت کرنا پڑے گا، بقاو دوام تو صرف ایک ہی ذات واحد کے لیے ہے۔

تکمیل دین کا اعلان، رحلت نبوی کا اشارہ

سن دس ہجری میں رسول آخر الزماں علیہ السلام نے حجۃ الوداع ادا فرمایا۔ اس اجتماع حج میں لاکھ سوا لاکھ مسلمانوں کا عظیم اجتماع تھا۔

اس موقعہ پر خدا تعالیٰ کی طرف سے اعلان ہوا اور وحی آئی۔

الیوم اکملت لکم الخ مسلمانو! آج میں نے تمہاری ہدایت کے لیے دین کو مکمل کر دیا اور دین ہدایت کی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا (سورۂ مائدہ آیت ۴)

دین حق کی تکمیل اور وحی آسمانی کا اتمام امت مسلمہ کے لیے خوش خبری کا عظیم پیغام تھا مسلمانوں میں ہر طرف خوشی کی لہر دوڑ گئی، صحابۂ کرام ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے مگر ایک بزرگ شخصیت ایسی تھی جس کا چہرہ اداس ہو گیا، آنکھیں نمناک ہو گئیں۔

دیکھنے والے حیرت میں ڈوب گئے اور کچھ صحابہ نے اس بزرگ شخصیت کی یہ حالت سرکار اقدس سے آکر بیان کی۔

یہ بزرگوار حضرت ابوبکر صدیق تھے، یہ رازدار وحی الٰہی تھے، محرمِ اسرارِ نبوت تھے۔

خوں شد دل خسرو کہ نگہداشتن راز
چوں ہیچ کسے محرم اسرار ندارم

رسول محترم نے اپنے یارِ غار صدیق اکبر کو بلایا اور آب دیدہ ہونے کا سبب پوچھا۔ راز دار وحی نے عرض کیا: حضور! مجھے اس پیغام تکمیل سے حضورﷺ کی جدائی کا احساس ہو رہا ہے، دین مکمل ہوا، کارِ نبوت تمام ہوا۔ رسول محترم نے فرمایا: ابوبکر ٹھیک سمجھے۔

واپسی میں غدیر خم کی منزل پڑی، یہاں سے مسلمانوں کے قافلے اپنی اپنی قیام گاہوں کی طرف رخ کرنے والے تھے۔

رسول پاک نے اپنی امت کے ساتھ اس آخری اجتماعی ملاقات میں اپنے رخصت ہونے کے اشارہ کو صاف کر دیا۔ اور ایمان والوں کو تقویٰ پر قائم رہنے کی تلقین کر کے فرمایا:

مسلمانو! قریب ہے کہ میرے پروردگار کا قاصد ملاقات کی دعوت لے کر آئے، میں اس دعوت کو قبول کر لوں گا۔

صحابہ کرام نے بڑی حسرت اور نہایت افسوس کے ساتھ اپنے محبوب کی زبان سے جدائی کا یہ اعلان سنا اور غم زدہ دلوں اور آبدیدہ آنکھوں سے اپنی اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو گئے اور اہل مدینہ اپنے آقا کے ساتھ مدینہ منورہ آ گئے۔

مرض وفات کا آغاز

رسول پاک علیہ السلام وسط ذی الحجہ میں مکہ مکرمہ سے واپس آئے اور واپسی کے بعد ڈھائی مہینہ تک اہم اجتماعی معاملات کو نمٹانے میں مصروف رہے۔

۲۸ رصفر ۱۱ھ کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے ایک رفیق کے جنازہ میں قبرستان بقیع تشریف لے گئے اور واپسی میں آپ کی طبیعت خراب ہوئی، گھر تشریف لا کر حضرت عائشہ کو بتایا کہ میرے سر میں درد ہو رہا ہے، یہ تکلیف بڑھتی رہی۔

اسی حالت میں حضورﷺ نے بقیع واُحد کے قبرستانوں میں تشریف لے جا کر راہ حق میں جان دینے والے شہداء کرام کے لیے دعاءِ مغفرت فرمائی۔ حضورﷺ کی اپنے وفادار رفقاء کرام سے یہ وداعی ملاقات تھی۔

وداعی تقریر

مرض وفات میں دن بدن شدت بڑھتی جا رہی تھی اور اپنے محبوب رسول کی یہ حالت دیکھ کر صحابہ کرام بڑی بے چینی میں گرفتار تھے چناں چہ اپ نے ایک روز اپنے غم زدہ رفقاء کو جمع کر کے انہیں تسلی دینے کی خاطر تقریر فرمائی اور کہا:

اے میرے صحابہ! میں تم سے پہلے اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں، میں تمہارے لیے مغفرت کا سامان کروں گا، خدا کے حضور میں تمہاری نیکیوں کی گواہی دوں گا۔

خدا نے مجھے حوض کوثر کا وعدہ کیا ہے، خدا کا وعدہ سچا ہے۔ گویا میں اسے آنکھوں سے دیکھ

رہا ہوں۔

میں مطمئن ہو کر جا رہا ہوں سو میری امت کبھی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔

البتہ مجھے اس بات کا خطرہ ہے کہ جب تم لوگوں پر دنیا اپنا سایہ ڈالے گی تو تم دنیوی عیش وعشرت کی حرص میں مبتلا ہو جاؤ گے، محبوب خدا کے اس رخصتی پیغام سے جانثاران نبوت کے دلوں پر غم کی گھٹائیں چھا گئیں ۔

خوش نشینانِ چمن بارِ سفر می بندند
عندلیبان ہمہ یک جا، شدہ فریاد کنند

وفات سے نو (۹) دن پہلے حضور پر قرآن کریم کی آخری سورۃ اذا جاء نصر اللہ الخ نازل ہوئی اور اس میں خدا تعالی نے دین حق کی مکمل فتح پر اپنے نبی کو شکر ادا کرنے کی تاکید کی۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس سورۃ کے بعد میں نے حضور کو خدا کی یاد، دعا اور استغفار میں یک سوئی کے ساتھ مشغول دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں حضور کی عیادت کے لیے حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضور ﷺ بخار کی شدت میں مبتلا ہیں۔

میں نے عرض کیا، حضور! بخار بہت تیز ہے، آپ نے فرمایا، ہاں، تمہارے دو شخصوں کے برابر ہے۔ حضرت ابن مسعود نے کہا، حضور! یہ دوگنی تکلیف اس لیے ہے کہ اجر وثواب دوگنا ہوگا، آپ نے فرمایا، ہاں، یہی بات ہے، اگر مومن کے پیر میں کانٹا بھی چبھ جاتا ہے تو اللہ تعالی اس تکلیف کو بھی اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے۔

ربیع الاول کے سات تاریخ سے حضور ﷺ نے مرض کے غلبہ کی وجہ سے مسجد نبوی میں امامت کے لیے، جانا بند کر دیا اور ابوبکر صدیق نے حضور کی جگہ امامت کا فرض ادا کیا۔

بارہ ربیع الاول پیر کے دن چاشت کے وقت حضور علیہ السلام نے اپنی جان جان آفریں

کے سپرد فرمائی۔آپ نے ۶۳ ر سال ۴ ر دن کی عمر شریف پائی۔

وصال کے بعد صحابۂ کرام کی حالت

رسول پاک کی اس عالم خاکی سے جدائی امت کے لیے سب سے بڑا قیامت خیز حادثہ تھا۔آفتاب نبوت کے حجاب میں آجانے کے بعد صحابہ کرام کے قلوب گھپ اندھیرا محسوس کرر ہے تھے اوران کے کانوں میں عالم غیب سے یہ آواز آ رہی تھی

رفتم واز رفتن من عالم تاریک شد
من مگر شمعم چو رفتم بزم برہم را خفتن ساختند

خاتون جنت کی بے حالی

کاشانۂ نبوت کے پروردہ انس بن مالک اپنے محبوب آقا کو آغوش رحمت کے سپرد کرنے کے بعد نبی کی لاڈلی بیٹی خاتون جنت کی خدمت میں تعزیت پیش کرنے حاضر ہوئے تو آپ کی جدائی کے غم میں بے حال لخت جگر نے غم زدہ آواز واحساس کے ساتھ حضرت انس سے کہا:

اے انس!تمہارے دل نے کیسے گوارا کیا کہ تم نے میرے باواجان کے نورانی وجود پر مٹی ڈالی؟

پھر حضرت سیدہ زہرا نے چند شعر پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے:

حضور! آپ ہم سے اس طرح جدا ہو گئے جس طرح زمین کی تری اور شادابی زمین سے نکل جاتی ہے اور زمین کو خشک چھوڑ جاتی ہے۔

ابا جان! آپ کے وصال فرمانے سے خدا کے کلام کا ہمیشہ کے لیے زمین پر آنا بند ہو گیا اے کاش! آپ سے پہلے مجھے موت آ گئی ہوتی۔

حضرت عمر جیسے ہوش مند صحابی کے ہوش وحواس جاتے رہے اور وہ مسجد نبوی کے دروازہ پر تلوار سوت کر کھڑے ہو گئے اور یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ اگر کسی کی زبان پر یہ آیا کہ حضور ﷺ

وفات پا گئے،تو میں اس کا سر قلم کردوں گا۔ بخدا رسول معظم حضرت موسی کی طرح چالیس دن کے لیے اعتکاف میں گئے ہیں۔حضرت عثمان غنی پر سکتہ طاری ہو گیا اور بے ہوش کر زمین پر گر پڑے۔ ہر شخص زبان حال سے یہ پکار رہا تھا ۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد

روئے گل سیر نہ دیدم وبہار آخر شد

اس طرح مدینہ کے گھر گھر میں قیامت کا سماں تھا کہ اللہ تعالی نے ابو بکر صدیق کو امت کی تسلی کا پیغام بنا کر بھیج دیا۔ابو بکر ممبر نبوی پر کھڑے ہوئے اور سورۃ آل عمران کی آیت مذکورہ بالا تلاوت کر کے فرمایا:

خبردار! اے عمر! ہوش میں آؤ سرکار اقدس اپنے مولا تعالی کی ملاقات کے لیے تشریف لے گئے ہیں۔

سنو! جو شخص محمد کی پرستش کرتا تھا تو محمد خدا کو پیارے ہو گئے اور جو شخص خدا کی عبادت کرتا ہے تو خدا الحی القیوم ہے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔صحابہ کرام کا جوش وخروش ٹھنڈا پڑ گیا، ہر شخص کی زبان پر مذکورہ آیت جاری تھی اور لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ قرآن کریم کی یہ آیت ابھی نازل ہوئی ہے۔

رسول پاک ﷺ اپنے ظاہری وجود کے لحاظ سے پردہ فرما گئے ،لیکن آپ کی دائمی نبوت ورسالت جو آپ کا وجود حقیقی ہے ہمیشہ جلوہ فگن اور نور افزا رہے گا،اقبال مرحوم کہتے ہیں

ہر کجا بینی جہان رنگ وبو

آں کہ از خاکش بروید آرزو

یا زنور مصطفے اورا بہا ست

یا ہنوز اندر تلاش مصطفٰی است

فقہ و فتاویٰ

حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری دامت برکاتہم

مسجد کا نام والدہ کے نام پر رکھنے کی شرط لگانے والے کی رقم تعمیری فنڈ میں قبول کی جاسکتی ہے؟

سوال: میں ایک مسجد کا ٹرسٹی ہوں، اور اس کا ابھی تعمیری کام جاری ہے۔ مسجد تقریباً دوسو سے ڈھائی سو سال پرانی ہے، جس کا ۳۰٪ حصہ دس بارہ سال پہلے ہو چکا تھا، بقیہ حصے کا کام جاری ہے۔ جو کام چل رہا ہے وہ بھی تقریباً ۸۰٪ مکمل ہو چکا ہے۔ ۲۰٪ باقی ہے۔ ایک صاحب نے یو۔ کے سے آ کر کہا کہ میں تمہاری مسجد میں ۱۰/لاکھ روپے ڈونیشن دیتا ہوں، بشرطیکہ آپ مسجد کا موجودہ نام بدل کر میری والدہ کے نام پر مسجد فاطمہ رکھیں، اور یہ بھی کہا کہ آپ کے پورے محلے کی ہم نے اجازت لے لی ہے۔ جب یہ بات ہوئی اس وقت مسجد کا ۵۰٪ کام باقی تھا، ان کی بات فوری طور پر قبول کرنے کے بہ جائے دوسرے دن ہم نے یہ سمجھ کر ہاں کردی کہ انہوں نے محلے والوں کی اجازت لے لی ہے، اور انہوں نے یہ پوچھا کہ تعمیری کام کب تک جاری رہے گا؟ تو ہم نے کہا کہ تقریبا ٦/مہینے میں مکمل ہو جائے گا۔

اس کے بعد انہوں نے یو۔ کے پہنچ کر تقریباً مہینے کے بعد تھوڑے پیسے (تقریباً ۱/لاکھ روپے) بھیجے۔ ان کے بھتیجے جو یہاں رہتے ہیں وہ ہمارے امام صاحب کے ہاتھ میں دے گئے، لیکن اس درمیان لوگوں کے دوسرے پیسے آئے اور مسجد کا تقریبا ۸۰٪ کام ہو چکا تھا، لہذا ان سے کہا گیا کہ اب ہمیں ۱۰/لاکھ کے بہ جائے صرف ۳/لاکھ کی ضرورت ہے، لوگوں کے پیسوں سے بہت سا کام ہو چکا ہے، لہذا ہمیں آپ کی والدہ کے نام سے مسجد کا نام رکھنے کی اجازت نہیں۔

نیز ان کا قول ''پورے محلے کی اجازت لے لی ہے'' یہ بھی غلط ثابت ہوا، محلے کے اکثر لوگوں کو یہ بات منظور نہیں ہے، پیسے لے کر مسجد کا پرانا نام بدل دیا جائے، اگر آئندہ چل کر کوئی ۱۱/لاکھ دے اور مسجد کا نام بدلنے کو کہے تو تم بدل دو گے؟ کیا مسجد کے نام کا سودا کرتے ہو؟ اب تک جن لوگوں نے پیسے دے کر تعمیری کام کروایا اس کا کیا؟ ان میں سے بھی بعض کو اعتراض ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یو۔کے والے بھائی کہتے ہیں کہ مسجد فاطمہ کے بعد ''رضی اللہ عنہا'' بھی نہیں لگنا چاہئے، اس لیے کہ وہ حضور ﷺ کے بیٹی کا نام ہے، اور یہ مسجد میری ماں کے نام سے بنی ہے، یہ معلوم نہیں ہوگا۔

مذکورہ حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ براہِ کرم شریعت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

کوئی شخص مسجد کا مکمل خرچ برداشت کر کے مسجد تعمیر کرائے، اور اس کی اس مالی قربانی کے پیشِ نظر اہلیانِ مسجد اپنی طرف سے اس شخص کی جانب سے کسی قسم کے مطالبے کے نہ ہونے کے باوجود مسجد کا نام اس شخص یا اس کے کسی قریبی رشتہ دار کے نام کے ساتھ جوڑ کر طے کریں، تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔ لیکن خود ان صاحب کا مطالبہ کہ میرا نام یا میرے فلاں رشتہ دار کا نام پتھر پر کندہ کر کے مسجد پر لگایا جائے، اخلاص کے خلاف ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ناموری کے خواہش مند ہیں، یہ خواہش نہایت غلط ہے، ثواب کو ختم کرنے والی ہے، دنیا میں ایسے شخص کی شہرت وتعریف ہو جائے گی، مگر آخرت میں عمل خالص کے ثواب سے محروم رہے گا۔ صحیح بخاری شریف کی شرح عمدۃ القاری میں علامہ ابن جوزیؒ کا قول منقول ہے کہ جو شخص اپنی بنائی ہوئی مسجد پر اپنا نام کندہ کرائے، تو اس کا یہ عمل اخلاص سے بہت دور ہے۔ (عمدۃ القاری ۴/۲۱۳) فتاویٰ

محمودیہ کراچی ۱۵/۲۶۴ سے ماخوذ

صورتِ مسئولہ میں جب ایک مسجد کا نام پہلے سے رکھا جاچکا ہے، اس کا نیا تعمیری کام لوگوں کے تعاون سے تقریباً ۸۰٪ ہوچکا ہے، اب اگر بقیہ کام کے لیے کوئی شخص اس شرط پر رقم دے کہ مسجد کا موجودہ نام بدل کر میری والدہ کے نام سے مسجد فاطمہ رکھو، اور لفظ فاطمہ سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو، اور نبی کریم ﷺ کی صاحب زادی حضرت فاطمہ کی طرف ذہن سبقت نہ کرے اس لیے بطور تاکید یہ بھی شرط لگا رہا ہے کہ اس نام میں لفظ فاطمہ کے بعد ''رضی اللہ عنہا'' بھی نہیں لگنا چاہیے، اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی امداد میں کتنے فی صد اخلاص ہے، نیز اس طرح نام رکھنے میں اہلِ محلّہ میں اختلاف کا بیج پڑ جانے کا بھی خدشہ ہے، جس کے غلط نتائج مستقبل میں کس انداز سے رونما ہوں گے، اس کی گارنٹی نہیں دی جاسکتی، لہٰذا آپ ان صاحب کو واضح انداز میں بتلادیں کہ آپ کی یہ شرط ہمیں منظور نہیں ہے، تاہم مسجد کے تعمیری کام میں اگر آپ رقم دینا چاہیں تو ہم بہ خوشی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

مسجد کی جگہ پر دوسرے کے پیسوں سے کرایے میں ۵۰٪ شرکت کی شرط پر تعمیر کام کرنا:

سوال: ہماری مسجد کی جگہ پر تین دکانیں اور ان کے اوپر دو منزلہ بنائے جائیں تو کرایے کی آمدنی ہوسکتی ہے، لیکن اس تعمیری کام کے لیے مسجد کے پاس رقم نہیں ہے، ایک صاحب کی طرف سے رقم حاصل کرکے اس پر تعمیری کام جاری کیا جاسکتا ہے، تین سے چار لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ میں اپنے پیسوں سے تعمیری کام کرادوں، لیکن کرایے کی آمدنی میں ۵۰٪ کا میں شریک رہوں گا، اور بقیہ آمدنی ۵۰٪ آمدنی مسجد کی ہوگی۔ مثلاً دس ہزار روپے مہینے کی آمدنی ہے تو ۵/ ہزار روپے مسجد کے لیے اور ۵/ ہزار روپے تعمیری کام کرانے

والے شخص کے لیے۔ اس طریقے پر تعمیری کام کرانا شرعاً درست ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آپ نے سوال میں جو صورت پیش کی ہے اس میں تعمیری کام کرانے والا شخص ۵۰٪ کرایہ خود لینا چاہتا ہے، یہ بات تو واضح ہے کہ کرایے میں کمی زیادتی علاقے کی پوزیشن کے مطابق ہوتی ہے، وہ شخص تین سے چار لاکھ روپے عمارت کی تعمیری کام میں خرچ کریں گے اور مسجد کی جس جگہ پر وہ عمارت بن رہی ہے اس جگہ کی بازاری قیمت اس شخص کے تعمیری کام میں لگائی جانے والی رقم سے بہت زیادہ ہوگی، اس صورت میں بطور کرایہ ۵۰٪ کا مطالبہ کیسے مناسب ہوگا! نیز اس صورت کے جواز کے لیے ایسی کوئی شکل بھی نہیں جس میں آئندہ مسجد کو کوئی نقصان نہ ہو۔

بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ اگر مسجد کی آمدنی کے لیے تعمیری کام کی ضرورت ہے تو اس کے لیے امداد کی اپیل کر کے محلے والے اور دیگر سخی داتاؤں سے امداد حاصل کر کے تعمیری کام مکمل کیا جائے، آئندہ کرایے کی رقم حاصل ہوگی اس میں سے وصول کرنے کی شرط پر اگر کوئی قرض دے تو وہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

پرانے کرایے دار کو مسجد کی ملکیت بیچنے کی گنجائش

سوال: ہماری پیر کھجوری مسجد کی ملکیت ہے، اس میں ۱۲؍ کرایے دار ہیں، ماہانہ ۱۰۰؍ روپے کرایہ ہے، لیکن پرانے کرایے دار کرایہ نہیں دیتے۔ اگر یہ ملکیت بیچ کر فروخت کر کے حاصل شدہ رقم دوسری جگہ پر لگائی جائے تو مسجد کی آمدنی بڑھ سکتی ہے۔ اس ملکیت کا میونسپلٹی ویرا تقریباً ۴۵؍ ہزار روپے باقی ہے، مسجد کی ملکیت شرعاً فروخت کی جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

آپ کے لکھنے کے مطابق اس ملکیت کا کرایہ صرف ۱۰۰؍ روپے ہے، پرانے کرایے دار

ہونے کی وجہ سے بعض کرایہ دیتے ہیں اور بعض نہیں دیتے، اور سرکاری قانون نے کرایے دار کو جو حقوق دیے ہیں، ان کے پیش نظر وہ لوگ اس ملکیت کو بغیر کسی عوض کے خالی کر دیں، اس کا امکان ہی نہیں۔ نیز اسی ملکیت کا میونسپلٹی ویرا تقریباً ۴۵/ ہزار روپے باقی ہے، ان تمام حالات کے پیشِ نظر وہ ملکیت ہی کرایے دار کو فروخت کر کے اس سے حاصل شدہ رقم سے دوسری ملکیت خرید کر آمدنی کا سلسلہ جاری کیا جائے تو آمدنی بڑھے گی اور مسجد کو بھی فائدہ ہوگا، اس کی شریعت میں گنجائش ہے، البتہ اس کے لیے اہلِ محلّہ کی جنرل میٹنگ منعقد کر کے اس میں اس سلسلے کا مشورہ کر کے فیصلہ کیا جائے۔ فتاویٰ محمودیہ سے ایک سوال و جواب نقل کیا جاتا ہے:

سوال: ایک اسلامی ادارے میں ایک موقوفہ مکان ہے، جس کا کرایہ (مثلاً: ۵۰) ماہانہ ہے، اور وہ اس قدر خستہ حال پر ہے کہ کسی وقت بھی منہدم ہوسکتا ہے، ہر سال اس کی مرمت وغیرہ میں اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے۔ ادارے کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ اس کو از سرِ نو تعمیر کرا سکے، کیا ایسی صورت میں اس موقوفہ مکان کو بیچ کر اس کی قیمت سے کوئی دوسری جائیداد خریدی یا بنوائی جاسکتی ہے؟ اور اس کو اس موقوفہ مکان کا نام دیا جاسکتا ہے؟ اندازہ کیا گیا ہے کہ اس مکان کی اتنی قیمت مل سکتی ہے کہ اس سے خریدی یا بنوائی ہوئی جائیداد تقریباً ۱۰۰/ روپے ماہانہ پر اٹھے گی۔

جواب: جب کہ اس کی مرمت میں روپیہ اس کی آمدنی سے زائد خرچ ہوتا ہے، اور جدید تعمیر کی گنجائش نہیں، تو اس کی منفعت مفقود ہے، ایسی حالت میں اس کو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسرا مکان خرید کر وقف کر دیا جائے، تو درست بلکہ قابل تحسین ہے۔ خاص کر جب کہ نو خرید کردہ مکان سے آمدنی نسبتاً زیادہ ہوگی۔ (فتاوی محمودیہ جدید ۱۴/۲۹۲، ۲۹۳) فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

ٹرسٹیوں کی اجازت کے بغیر مسجد میں کوئی چیز دینا

سوال: مسجد میں چٹائی، لائٹ، پنکھے وغیرہ کی ضرورت ہو، تو ٹرسٹیوں کی اجازت کے بغیر (اگر وہ دھیان نہ دیں تو) دیے جا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

مسجد میں جن اشیاء (جیسا کہ چٹائی، لائٹ، پنکھا وغیرہ) کی ضرورت ہو تو ان کا انتظام کرنا ٹرسٹیوں کا فریضہ ہے، اس کے باوجود اگر ٹرسٹی حضرات اس کی طرف توجہ نہ دیں اور اپنا فریضہ انجام نہ دیں، تو اس صورت میں اگر مسجد کے مصلی مذکورہ اشیاء اپنی طرف سے رکھنا چاہیں تو رکھ سکتے ہیں۔ البتہ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ ٹرسٹیوں کی اجازت بھی لے لی جائے، اس لیے کہ شرعی اور قانونی طور پر ٹرسٹی حضرات ہی مسجد کے منتظمین ہونے کی وجہ سے ان کی اجازت کے بغیر کیا جانے والا کام ان کے دل میں ضد پیدا کر کے قوم میں اختلاف اور جھگڑے کا سبب ہوگا۔ اور ٹرسٹیوں کو بھی چاہئے کہ ایسی ضروری اشیاء جو مصلیوں کی طرف سے برضا و رغبت مسجد میں رکھی جائیں تو ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے قبول کر لیں، ٹرسٹیوں کی ایمان داری کا تقاضا یہی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

سوال: ہم نے مسجد مدرسے کے لیے تین منزلہ ایک فیکٹری خریدی ہے، نیچے کے منزلے پر نماز شروع کی ہے، اور جماعت خانہ بنایا ہے۔ فیکٹری میں مرمت کروائی ہے، بنیاد سے مسجد نہیں بنائی۔ بقیہ دو منزلوں پر مدرسہ جاری ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ مسجد کے بالائی حصے کے دو ہال مسلمانوں کو شادی کی تقریب کے موقع پر کرایے پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور اس میں صرف مردوں کے آنے کی شرط لگائی جاتی ہے۔ کرایے پر دینے کا مقصد صرف یہی ہے کہ مرد و عورت ایک ساتھ نہ ہوں۔ یہاں ایک ہال کرایے پر ملتا ہے جس میں عورت اور مرد ساتھ ساتھ ہوتے

ہیں، جس میں بدفعلی ہوتی ہے، اس سے بچنے کے لیے ہم اس سلسلے میں غور وفکر کر رہے ہیں۔ مثلا: دوسرے ہال میں ویڈیو شوٹنگ، بینڈ بجانا، مرد وعورت کی تصویر کشی، ان امور سے بچنے کے بارے میں غور کر رہے ہیں۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

جماعت خانے کو مدرسہ اور شادی کا ہال بنانا درست نہیں ہے، مسجد کی بے حرمتی ہوگی۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۹۱/۶) البتہ کسی مسنون طریقے کے مطابق مسجد میں نکاح کی مجلس منعقد کرنا چاہے تو کر سکتے ہیں۔ (امداد الفتاوی ۲۷۶/۲) اس لیے کہ حدیث شریف میں اس کی اجازت بلکہ ترغیب وارد ہوئی ہے، البتہ اس پر کرایہ نہیں لے سکتے۔ فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

قوم کے پلاٹ میں بنائی ہوئی مسجد کے بارے میں شرعی رہنمائی

سوال: ایک مسجد کمیٹی نے مسجد کے پیسوں سے کچھ دکانیں فروخت کرنے کے لیے رکھی ہیں، جس کو تقریباً آٹھ سال کا عرصہ بیت چکا، جس پارٹی سے دکانیں فروخت کرنے کے لیے رکھیں تھیں اس نے وہاں ایک پلاٹ (Plot) بھی رکھا تھا، جو دکانوں کے سامنے تھا، اور اس پلاٹ سے متصل ایک پرانا نیشنل ہائی وے لگتا ہے۔ کومن پلاٹ کی کھلی جگہ کی وجہ سے راستے سے گذرنے والے لوگ دکانوں کو دیکھ کر ان میں رغبت رکھتے تھے۔ پچھلے دو سالوں کے درمیان اس پارٹی نے کومن پلاٹ بیچ دیا، اور خریدنے والے نے وہاں ایک گیسٹ ہاؤس بنا دیا، جس کی وجہ سے کانیں روڈ سے دور ہوگئیں اور گاہکوں کی رغبت کم ہوگئی۔ کومن پلاٹ کی بیع چیرٹی کمشنر کے اصول کی خلاف ورزی تھی، اور دکانوں کی ویلیو کم ہو جانے کی وجہ سے مسجد کی کمیٹی نے چیرٹی کمشنر سے اختلاف کیا، اور نقصان ہونے کا دعویٰ کیا، چیرٹی کمشنر نے فیصلہ کیا کہ کومن پلاٹ میں شخصی تعمیر کرنا درست نہیں ہے، اور مذہبی ادارے کو اس سے نقصان بھی ہے، لہذا اس کومن پلاٹ

خریدنے والی پارٹی کو حکم دیا کہ مذہبی ادارے کو خوش کر کے صلح کر لے۔ اب وہ پارٹی ۲/لاکھ روپے دینے کو تیار ہے، تو کیا مسجد کمیٹی وہ پیسے لے کر مسجد کے فنڈ میں جمع کر سکتی ہے؟ کیا مسجد کمیٹی صلح کر سکتی ہے؟

نوٹ: کومن پلاٹ بیچنے والی پارٹی کو کومن پلاٹ ہونے کا علم پہلی مرتبہ ہوا تھا۔

الجواب: حامداً و مصلیاً و مسلماً:

دکان راستے سے دور ہوگئی اور گاہکوں کی رغبت کم ہوگئی، اس بنیاد پر تو نہیں، البتہ دکانوں کی ملکیت کے پیش نظر کومن پلاٹ سے فائدہ اٹھانے کا حق مسجد کو بھی حاصل تھا۔ لینڈلورڈ پارٹی نے وہ کومن پلاٹ تیسرے شخص کو بیچ دیا، اور انہوں نے اس میں گیسٹ ہاؤس بنا کر مسجد کو اپنے حق سے بے خبر رکھ کر مسجد کو نقصان پہنچایا ہے، لہذا مسجد اپنے حق شفعہ کے عوض بہ طورِ صلح کچھ لینا چاہے تو لے سکتی ہے۔

ان الحق اذا كان متعلقا بعين تبقى يجوز بيعه بشرط ان يكون معلوم المقدار، ولا تكون الجهالة فيه مفضية الى المنازعة. (تكملة فتح الملهم ١/٣٦٤) فقط واللہ تعالیٰ أعلم۔

☆☆☆

ایک جامع نظام تعلیم کی ضرورت

خطاب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

حمد وستائش اس ذات کے لیے ہے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا اور درود وسلام اس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دنیا میں حق کا بول بالا کیا۔

الحمد لله رب العالمین والصلوة والسلام علی رسوله الکریم! اما بعد۔

حضرت رئیس الجامعہ مدظلہم، حضراتِ اساتذۂ کرام اور معزز حاضرین وحاضرات!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے احساس ہے کہ آپ حضرات کافی دیر سے اس تقریب میں شریک ہیں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان شاء اللہ جو وقت اس تقریب میں شرکت کا گذرا ہے، وہ یقیناً آپ حضرات کے لیے روح پرور ثابت ہوا ہوگا، اب وقت خاصا ہو چکا ہے، کھانے کا بھی انتظام ہے، میں آپ کے صبر وبرداشت کا زیادہ امتحان لینا نہیں چاہتا، لیکن بہت اختصار کے ساتھ یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ حرا فاؤنڈیشن اسکول، جس کی حفظ قرآن کریم کی تقریب میں آج ہم اور آپ شریک ہیں، کا پس منظر کیا ہے؟

یہ بات حضرت رئیس الجامعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے مختلف نشستوں میں اور مختلف مواقع پر دہرائی اور مجھے بھی اپنے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بات کئی جگہ سنانے کی توفیق ہوئی، حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ نے ایک موقع پر پاکستان کے عموی نظام تعلیم پر تبصرہ کرتے ہوئے ارکانِ حکومت سے فرمایا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد ہمیں درحقیقت ایک نئے نظام تعلیم کی ضرورت ہے، پاکستان بننے سے پہلے تین بڑے

نظام ہندوستان کے اندر معروف تھے، ایک دار العلوم دیوبند کا نظام تعلیم، ایک مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا نظام تعلیم اور ایک دار العلوم ندوۃ العلماء کا نظام تعلیم، حضرت والد ماجد قدس اللہ سرہ نے تقریبا ۱۹۵۰ء میں ارشاد فرمایا تھا کہ پاکستان بننے کے بعد درحقیقت ہمیں ملکی سطح پر نہ علی گڑھ کے نظام تعلیم کی ضرورت ہے نہ ندوۃ العلماء کی نے نظام تعلیم کی ضرورت ہے اور نہ دیوبند کے نظام تعلیم کی ضرورت ہے، بلکہ ہمیں ایک چوتھے نظام تعلیم کی ضرورت ہے، جو اسلاف کی تاریخ سے مربوط چلا آ رہا ہے، بظاہر سننے والوں کو یہ بات بڑی تعجب خیز معلوم ہوتی تھی کہ دار العلوم دیوبند کا مفتی اعظم اور دار العلوم دیوبند کا ایک سپوت یہ کہے کہ ہمیں پاکستان میں ملکی سطح پر دیوبند کے نظام تعلیم کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہمیں ایک نئے نظام تعلیم کی ضرورت ہے، یہ تین نظام تعلیم جو انڈیا میں رائج تھے ان کے بارے میں مرحوم اکبر الہ آبادی نے یہ تبصرہ کیا تھا کہ ؎

قلب یقظاں ہے مثال دیوبند
اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
اب علی گڑھ کی بھی تم تمثیل لو
ایک معزز پیٹ تم اس کو کہو

حضرت والد ماجد قدس اللہ تعالی سرہ نے جو بات ارشاد فرمائی وہ درحقیقت بہت گہری بات ہے اور اس کو نہ سمجھنے کے نتیجے میں ہمارے ہاں بڑی بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوگئی ہیں۔

یہ تین نظام تعلیم جو ہندوستان کے اندر جاری تھے، وہ درحقیقت انگریز کے لائے ہونے نظام کا ایک نتیجہ تھے، انگریز کی لائی سازشوں کا ردعمل تھے، ورنہ اس سے پہلے اگر آپ مسلمانوں کے صدیوں پر محیط نظام تعلیم پر غور کریں اور اس کو دیکھیں تو اس میں مدرسہ اور اسکول کی کوئی تفریق نہیں ملے گی وہاں شروع سے لے کر استعمار کے زمانے تک مسلسل یہ صورت حال رہی ہے کہ مدارس یا جامعات بیک وقت دینی تعلیم بھی دیتے تھے اور اس کے ساتھ ساتھ عصری علوم

کی تعلیم بھی دی جاتی تھی اور صورت حال یہ تھی کہ شریعت نے جو بات مقرر کی ہے کہ جہاں تک عالم بننے کا تعلق ہے تو عالم بننا ہر آدمی کے لیے فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے یعنی اگر ضرورت کے مطابق بستی میں یا کسی ملک میں علماء تیار ہو جائیں تو باقی سب لوگوں کی طرف سے فریضہ ادا ہو جاتا ہے، لیکن دین کی بنیادی معلومات حاصل کرنا ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔

سابقہ ادوار میں قائم ان مدارس میں فرضِ عین کی تعلیم بلا امتیاز ہر شخص کو دی جاتی تھی، البتہ جس کو علم دین میں اختصاص حاصل کرنا ہوتا اس کے لیے مواقع میسر تھے اور جو عصری علم کے اندر اختصاص حاصل کرنا چاہتا، اس کے مواقع الگ دستیاب تھے۔

میں گذشتہ سال مراکش گیا تھا اور برادرِ معظم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم اس سال مراکش تشریف لے گئے تھے، مراکش آج جس ملک کو کہا جاتا ہے اس کو انگریزی میں Morroco کہتے ہیں اور عربی میں اس کو المغرب کہا جاتا ہے، اس کے ایک شہر کا نام فاس ہے، میں پچھلے سال اس شہر میں گیا تھا اور حضرت بھی اس سال وہاں تشریف لے گئے تھے، وہاں جامع القرویین کے نام سے ایک ادارہ ہے جو آج تک کام کر رہا ہے، اگر ہم اسلامی تاریخ کی مشہور اسلامی جامعات کا جائزہ لیں تو چار اہم اسلامی جامعات ہماری تاریخ میں نظر آتی ہیں، اس میں سب سے پہلی جامعۃ القرویین ہے، دوسری تیونس کی جامعۂ زیتونہ ہے، تیسری مصر کی جامعۃ الازہر ہے اور چوتھی دارالعلوم دیوبند ہے، تاریخ کی ترتیب اس طرح ہے۔

اس میں سب سے پہلی یونیورستی جامعۃ القرویین ہے جو فاس کے اندر قائم ہوئی وہ تیسری صدی ہجری کی یونیورسٹی ہے اور اس تیسری صدی کی یونیورسٹی کے بارے میں تاریخ کے کتابچہ میں دعویٰ کیا گیا ہے اور ابھی تک اس کی کوئی تردید میرے سامنے نہیں آئی کہ یہ صرف عالم اسلام ہی کی نہیں، بلکہ ساری دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے، یعنی اس وقت جامعۃ القرویین کے اندر جو علوم پڑھائے جاتے تھے، ان علوم میں اسلامی علوم، تفسیر، حدیث، فقہ اور اس کے ساتھ ساتھ طب، ریاضی، تاریخ،

فلکیات سارے علوم جن کو آج عصری علوم کہا جاتا ہے وہ سارے علوم پڑھائے جاتے تھے، ابن خلدونؒ نے وہاں درس دیا، ابن رشدؒ نے وہاں درس دیا، قاضی عیاضؒ نے وہاں درس دیا، اسلاف کی ایک طویل فہرست ہے، جنہوں نے وہاں درس دیا اوران کی جگہیں آج بھی محفوظ ہیں کہ یہ جگہ وہ ہے جہاں ابن خلدونؒ درس دیا کرتے تھے یہ جگہ وہ ہے جہاں ابن رشدؒ درس دیا کرتے تھے، یہ جگہ وہ ہے جہاں قاضی عیاضؒ نے درس دیا ہے، یہاں ابن عربی مالکیؒ نے درس دیا ہے، یہ سب جگہیں محفوظ ہیں، یہ دنیا کی قدیم ترین یونیورسٹی ہے، مدارس تو چھوٹے چھوٹے ہر جگہ ہوں گے، لیکن جامعۃ القرویین ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی تھی، جس میں تمام عصری، دینی ودنیاوی علوم پڑھائے جاتے تھےاوراس میں آج بھی اس زمانے یعنی تیسری صدی اور چوتھی صدی کی جو سائنٹفک ایجادات ہیں، ان کے نمونے رکھے ہوئے ہیں کہ اس زمانے میں اس جامعۃ القرویین سے لوگوں نے جو ایجادات کی ہیں، گھڑی وغیرہ ان ایجادات کے نمونے آج بھی وہاں موجود ہیں۔

آپ تصور کیجئے کہ تیسری صدی ہجری کی یونیورسٹی ہے اور اسلامی علوم کے بادشاہ بھی، وہیں سے پیدا ہوئے، ابن رشد فلسفی وہیں سے پیدا ہوئے، اور وہیں سے بڑے بڑے سائنسدان بھی پیدا ہوئے، تو ہوتا کیا تھا کہ جتنا علم فرض عین ہے وہ تو سب اکٹھا دیا جاتا تھا اور اس کے بعد اگر کسی کو علم دین کے اندر اختصاص حاصل کرنا ہے تو وہ علم دین کے دروس اسی جامعۃ القرویین کے اندر پڑھے گا اور اسی میں ریاضی پڑھانے والا ہے تو ریاضی بھی وہاں پڑھا رہا ہوگا، طب پڑھانے والا ہے تو طب بھی وہاں پڑھا رہا ہوگا یہ سارا کا سارا نظام اس طرح چلا۔

جامعۃ القرویین اسی طرح چلی، جامعہ زیتونہ اسی طرح چلی اور جامعۃ الازہر اسی طرح چلی، یہ تینوں یونیورسٹیاں ہی ہمارے قدیم ماضی کی یونیورسٹیاں ہیں ان میں اس طرح تعلیم دی گئی کہ دینی اور عصری دونوں چیزیں اس طرح ساتھ ساتھ چلیں کہ ایک ہی چھت کے نیچے سارے علوم پڑھائے جاتے تھے۔

اس میں آپ یہ دیکھیں گے کہ قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو حدیث اور سنت کے امام ہیں، ان کا حلیہ دیکھ لیجئے اور ابن خلدونؒ جو فلسفہ اور تاریخ کے امام ہیں، ان کا حلیہ دیکھ لیجئے، دونوں کو دیکھنے میں کوئی فرق نظر نہیں آئے گا کہ یہ دین کا علم ہے یہ دنیا کا عالم ہے، ان کا حلیہ، ان کی ثقافت، ان کا طرز زندگی، ان کا طرز کلام سب یکساں ہے، ہمارے جو مشہور سائنسدان گذرے ہیں فارابی، ابن رشد اور ابوریحان البیرونی، ان سب کا حلیہ دیکھ لیجئے پھر محدثین اور فقہاء کا حلیہ دیکھ لیجئے دونوں کا حلیہ ایک جیسا ہی نظر آئے گا۔

اگر وہ نماز پڑھتے ہیں تو یہ بھی نماز پڑھتے ہیں اگر ان کو نماز کے مسائل معلوم ہیں تو ان کو بھی معلوم ہیں، بنیادی تعلیمات جو ہر انسان کے لیے فرض عین ہیں، وہ ہر انسان جانتا تھا اور اس یونیورسٹی میں وہ ساری چیزیں پڑھائی جاتی تھیں۔

تفریق یہاں سے پیدا ہوئی کہ انگریز نے آکر ایک سازش کے تحت ایک ایسا نظام تعلیم جاری کیا جس سے دین کو دیس نکالا دے دیا گیا، اس وقت ہمارے اکابر مجبور ہوئے کہ وہ مسلمانوں کے دین کے تحفظ کے لیے کم از کم جو فرض کفایہ ہے اس کا تحفظ کرلیں اور ایسے علماء پیدا کریں جو دینی علوم میں دسترس حاصل کر کے عام مسلمانوں کو دین سے آگاہ کریں اور جو کام عام درس گاہوں کے کرنے کا تھا، وہ خود انجام دے کر مسلمانوں کے دین کا تحفظ کریں، اس کے لیے انہوں نے دارالعلوم دیوبند قائم کیا، جس نے الحمدللہ وہ عظیم خدمات انجام دیں جن کی تاریخ میں نظیر ملنی مشکل ہے۔

اگر پاکستان صحیح معنی میں اسلامی ریاست بنتا اور صحیح معنی میں اس کے اندر اسلامی احکام کا نفاذ ہوتا تو اس صورت میں بقول والد ماجدؒ ملکی سطح کے نظام تعلیم کے لیے ہمیں نہ علی گڑھ کی ضروت تھی نہ نہ ندوہ کی، نہ دارالعلوم دیوبند کی، ہمیں جامعۃ القرویین کی ضرورت تھی، ہمیں جامعہ زیتونہ کی ضرورت تھی جہاں سارے کے سارے علوم اکٹھے پڑھائے جائیں اور سب دین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، چاہے وہ انجینئر ہو، چاہے وہ ڈاکٹر ہو، چاہے کسی بھی شعبۂ

زندگی سے وابستہ ہو وہ دین کے رنگ میں رنگا ہوا ہو،لیکن ایسا نظام تعلیم لا کر ہم پر لاد دیا گیا،جس نے ہمیں سوائے ذہنی غلامی کے کچھ نہ دیا،اکبرالہ آبادی نے صحیح کہا تھا ؎

اب علی گڑھ کی بھی تم تمثیل لو

اک معزز پیٹ تم اس کو کہو

صرف پیٹ بھرنے کا ایک راستہ نکالنے کے لیے یہ نظام تعلیم لایا گیا اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی پوری تاریخ اور ورثہ تباہ کر دیا گیا،نتیجہ یہ نکلا کہ آج اس نئے نظام تعلیم کے ذریعہ جو زبردست فرق واقع ہوئے،ان میں ایک تو یہ کہ جو فرد اس نظام تعلیم سے پیدا ہو رہا ہے،اس کو دین کے بنیادی فرائض کا بھی پتہ نہیں ہے وہ نہیں جانتا کہ فرض عین کیا ہے؟ دوسرے اس طرح کے افکار مسلط کر دیے گئے کہ اگر عقل اور ترقی چاہتے ہو تو اس کے لیے صرف اور صرف مغرب کی طرف دیکھنا ہوگا،تیسرے اس کی ثقافت بدل دی گئی،سب کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی گئی کہ اگر ترقی چاہتے ہو تو وہ صرف مغربی افکار میں ملے گی،مغربی ماحول میں ملے گی،مغربی انداز میں ملے گی اور افسوس یہ ہے کہ اس نئے نظام تعلیم سے جو لوگ گریجویٹ یا ڈاکٹر یا پروفیسر بن کر پیدا ہوتے ہیں وہ ہم جیسے طالب علموں پر روزانہ تنقید کرتے ہیں کہ ان لوگوں نے ''اجتہاد'' کا دروازہ بند کر دیا ہے،یہ اجتہاد نہیں کرتے۔

اجتہاد فقہ،قرآن وسنت کے اندر تو بلاشبہ ممتاز علمی استعداد پر مبنی عجیب چیز تھی،لیکن دوسری طرف ان عصری تعلیمی اداروں میں ایک ایسی چیز ہے جس کے لیے اجتہاد کا دروازہ چاروں طرف چوپٹ کھلا ہوا تھا،وہ تھی سائنس،ٹیکنالوجی،ریاضی اور علوم عصریہ،ان میں تو کسی پر اجتہاد کا دروازہ بند نہیں تھا،علی گڑھ کے نظام تعلیم کے ذریعے اور اس نئے نظام تعلیم کے ذریعے آپ نے کیوں ایسے مجتہد پیدا نہیں کئے جو مغرب کے سائنسدانوں کا مقابلہ کر سکتے،اس میں آپ نے ایسے مجتہد کیوں پیدا نہیں کئے جو سائنسی تحقیقات میں اجتہاد کر کے طب میں نئے راستے نکالتے،جو فلکیات

میں نئے راستے نکالتے، اجتہاد کا دروازہ جہاں چوپٹ کھلا ہوا تھا وہاں تو آپ نے کوئی قابلِ ذکر اجتہاد کیا نہیں اور جہاں قرآن وسنت کی پابندی ہے کہ قرآن وسنت کے حدود کے اندر رہ کر ہی اجتہاد کرنا ہوتا ہے، وہاں آپ کو شکایت ہے کہ علماء کرام اجتہاد کیوں نہیں کرتے۔

ابھی کچھ دن پہلے مجھے کسی صاحب نے کلپ دکھائی جس میں ایک نوتعلیم یافتہ صاحب ایک عالم دین سے یہ سوال کرر ہے تھے کہ مولانا! یہ بتائیے کہ علماء کرام کی دینی خدمات اپنی جگہ، لیکن یہ کیا بات ہے کہ مسلمانوں میں عالمی سطح کا کوئی سائنسداں پیدا نہیں ہوا، کوئی نئی ایجاد نہیں ہوئی؟ علماء کرام کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟

بندۂ خدا! یہ سوال تو آپ اپنے آپ سے کرتے کہ ہمارے نظام تعلیم کے اندر آیا کوئی ایسا مجتہد ہوا جس نے کوئی نئی ایجاد کی ہو، لیکن وہاں تو دروازے اجتہاد کے اس طرح بند ہیں کہ جو انگریز نے کہہ دیا، یا مغرب نے کہہ دیا بس وہ نظریہ ہے، اس نے جو دوا بتادی وہ دوا دوا ہے، اس نے اگر کسی چیز کو صحت کے لیے مضر کہہ دیا تو وہ مضر ہے، ہر معاملہ میں اسی کی بات حرف آخر ہے، اب انڈے کی زردی کو سالہا سال سے کہا جارہا تھا کہ یہ کولیسٹرول پیدا کرتی ہے اور امراض قلب کے لیے مضر ہوتی ہے، لیکن آج ہر ڈاکٹر یہ کہہ رہا ہے کہ انڈے کی زردی کھاؤ اس سے کچھ نہیں ہوتا کیوں؟ اس لیے کہ اب مغرب سے یہ پیغام آ گیا ہے اس لیے آپ نے اس کو قبول کرلیا۔

ہمارے اس ملک کے اندر بے شمار جڑی بوٹیاں پھیلی ہوئی ہیں ان پر بھی آپ نے تحقیق کی ہوتی، آپ نے کوئی نتیجہ نکالا ہوتا کہ یہ جڑی بوٹیاں کن امراض میں فائدہ مند ہوتی ہیں، نبی کریم ﷺ نے کلونجی کے فوائد بیان فرمائے تھے اس پر کوئی تحقیق کی ہوتی، وہاں تو اجتہاد کا دروازہ مکمل بند ہے اور اس میں کوئی تحقیق کا راستہ نہیں ہے اور قرآن وسنت میں اجتہاد کا مطالبہ ہے تو یہ ذہنی غلامی کا نتیجہ ہے جس نے ہمیں اس نتیجہ تک پہنچایا۔

اس نظام تعلیم کا دوسرا نقصان یہ ہوا کہ اس نے تصورات بدل دیے، پہلے علم کا تصور اعلی کا

تھا،جس کا مقصد معاشرے کی خدمت تھی،مخلوق کی خدمت تھی یہ اصل مقصود تھا،اس کے تحت اگر معاشی فوائد بھی حاصل ہو جائیں تو وہ ثانوی حیثیت رکھتے تھے،لیکن آج معاملہ الٹا ہو گیا ہے،علم کا مقصد صرف پیسہ کمانا ہے،علم کا مقصد یہ ہے کہ اتنا علم حاصل کرلو جس کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں کی جیب سے پیسے نکال سکو،تمہارا علم اس وقت کارآمد ہے، جب تک لوگوں سے زیادہ سے زیادہ پیسہ کما سکو، جو لوگ پڑھ رہے ہیں گریجویشن کر رہے ہیں، ماسٹر اور پی، ایچ، ایڈ کی ڈگریاں لے رہے ہیں، ان کے ذہن پڑھ کر دیکھو، کیوں پڑھ رہے ہیں؟ اس لیے پڑھ رہے ہیں کہ کیریئر اچھا ہو،اس لیے پڑھ رہے ہیں کہ اچھی ملازمتیں ملیں،اس لیے پڑھ رہے ہیں کہ پیسے زیادہ ملیں، تعلیم کی ساری ذہنیت بدل کر یہ کردی گئی کہ علم کا مقصد پیسہ کمانا ہے، معاشرے کی کوئی خدمت کرنی ہے،اس کا کوئی تصور اس موجودہ نظام تعلیم کے اندر نہیں ہے۔

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص پیسہ کمانے کی دوڑ میں لگا ہوا ہے،اس کو نہ وطن کی فکر ہے نہ ملک وملت کی فکر ہے، نہ مخلوق کی خدمت کرنے کا کوئی جذبہ اس کے دل میں پیدا ہوتا ہے، بلکہ دن رات وہ اسی دوڑ دھوپ میں مگن ہے کہ پیسے زیادہ بننے چاہئیں الا ماشاء اللہ۔نتیجہ یہ ہے کہ بد عنوانیاں پھیلی ہوئی ہیں،مستثنیات ہر جگہ ہوتے ہیں، یہاں بھی،لیکن بحیثیت مجموعی موجودہ نظام تعلیم کے تحت جو لوگ تیار ہو رہے ہیں، بتائیے انہوں نے مخلوق کی کتنی خدمت کی ہے، کتنے لوگوں کو فائدہ پہنچایا ہے،ہمیں تو پیغمبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا تلقین فرمائی تھی کہ **اللھم لاتجعل الدنیا اکبر ھمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا** اے اللہ دنیا کو ہمارے لیے ایسا نہ بنایئے کہ دھیان دنیا ہی طرف رہے نہ ہمارے علم کا سارا مبلغ دنیا ہی ہو کر رہ جائے اور نہ ہماری ساری رغبتوں اور شوق کا مرکز دنیا ہو کر رہ جائے،لیکن اس نظام تعلیم نے کایا پلٹ دی۔

درحقیقت حضرت والد ماجد نے جو بات فرمائی تھی اس کا منشا یہ ہے کہ استعمار کے بعد، انگریز کی غلامی کے بعد جو کایا پلٹی ہے اب اس کا علاج یہ ہے کہ اس کو پلٹ کر دوبارہ اس طرف

جائیں، جو راستہ جامعۃ القرویین نے دکھایا جو جامعہ زیتونہ نے دکھایا اور جو ابتدائی دور میں جامعہ ازہر نے دکھایا، ابتدائی دور کی بات اس لیے کر رہا ہوں کہ اب ان اداروں کو بھی استعمار کے زہر نے متاثر کر دیا ہے۔

پاکستان میں چوں کہ حکومتی سطح پر وہ نظام قائم نہ ہوسکا، لہٰذا مجبوراً جو دارالعلوم دیوبند کا نظام تھا کہ کم از کم علوم نبوت کا تحفظ تو ہو، اس غرض سے مدارس الحمدللہ قائم ہوئے اور الحمدللہ انہوں نے نامساعد حالات میں عظیم خدمات انجام دیں، جب تک ہمیں ان حکمرانوں پر اور نظام حکومت پر اور ان کے بنائے ہوئے قوانین پر بھروسہ نہیں ہو جاتا اور مستقبل قریب میں بھروسہ ہونے کی امید بھی نہیں ہے، اس وقت تک ہم ان مدارس کا تحفظ کریں گے اور ان مدارس کو اسی طرح برقرار رکھیں گے جس طرح ہمارے اکابر نے دیوبند میں ان کی بنیاد قائم کی تھی، ان پر کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے، کیوں کہ مسلمانوں کے دین کا تحفظ ان پر موقوف ہو گیا ہے، اس کے علاوہ اگر ملک کا مجموعی تعلیمی نظام درست ہو بھی جائے، تو اختصاصی تعلیم گاہوں کی حیثیت سے ان کی ضرورت و اہمیت بہر حال برقرار رہے گی، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ جو کام حکومتی سطح پر نہیں ہوسکا کہ عام نظام تعلیم میں دین سمویا ہوا ہو، وہ رفتہ رفتہ ہم اپنے مدارس کے ذریعے انجام دینے کی کوشش کریں اور انہی مدارس کے ماحول میں عصری مضامین اس طرح پڑھانے کی کوشش کریں، جو دین کے رنگ میں رنگے ہوئے ہوں، الحمدللہ پاکستان کے اندر دینی مدارس کی تعداد بقدر ضرورت اچھی ہوگئی ہے، لیکن یہ مدارس فرض کفایہ کی تعلیم دے رہے ہیں ان کا اگر تناسب دیکھا جائے تو مشکل سے ایک فی صد ہوگا، لیکن ننانوے فی صد قوم کی آبادی جس نظام کے تحت تعلیم پا رہی ہے، اس کی وجہ سے وہ ذہنی غلام بن رہی ہے، میں حراء فاونڈیشن اسکول کے اساتذہ ومعلمات سے کئی مرتبہ خطاب میں یہ بات کہہ چکا ہوں اور کہتا رہتا ہوں کہ آپ کا اصل مقصد یہ ہے کہ خدا کے لیے ہماری اس نسل کو اس ذہنی غلامی سے نکالیے، آپ کو بچوں کے ذہنوں میں یہ

بات بٹھائی ہے کہ ہم الحمد للہ ایک آزاد قوم ہیں ہم ایک آزاد سوچ رکھتے ہیں، ہم اپنے نبی کریم ﷺ کی سنت کی سوچ رکھتے ہیں اور یہ جو ذہنی غلامی کا تصور پھیلایا گیا ہے کہ جو کچھ ہو گا وہ مغرب سے آئے گا اور مغربی افکار اس میں پروان چڑھیں گے، خدا کے لیے نئی نسلوں کے ذہنوں سے اس تصور کو مٹائیے اور ان کے اندر اسلامی ذہنیت پیدا کیجئے، اس مقصد کے لیے ہم نے یہ ادارہ قائم کیا، مغربی نظام میں کچھ چیزیں بری ہیں کچھ چیزیں اچھی ہیں، اچھی چیزوں کو لے لو اور بری چیزوں کو پھینک دو، ''خذ ما صفا و دع ما کدر '' اقبال مرحوم نے ایسے حسین تبصرے کئے ہیں جو قوم کے مشعل راہ ہیں، مغرب کی جو ترقی کہیں سے کہیں پہنچی ہے، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کئی شعر کہے ہیں جو ہمیشہ یاد رکھنے کے قابل ہیں وہ کہتے ہیں کہ ؎

قوت مغرب نہ از چنگ ورباب
نے ز رقص دختران بے حجاب

مغرب کی طاقت نہ تو اس وجہ سے ہوئی کہ وہاں موسیقی کے آلات تھے، نہ اس وجہ سے ہوئی کہ وہاں بے پردہ عورتیں رقص کرتی تھیں۔

نے ز سحرِ ساحرانِ لالہ رو ست
نے زعریاں ساق و نے از قطع موست

نہ اس وجہ سے ہوئی وہاں حسین عورتیں بہت پھرتی ہیں، انہوں نے ٹانگیں ننگی کر رکھی ہیں اور اپنے بال تراش رکھے ہیں، ترقی اس وجہ سے نہیں ہوئی۔

قوت افرنگ از علم وفن است

فرنگ کی اگر قوت ہوئی ہے تو وہ علم وفن میں محنت کرنے کی وجہ سے ہوئی ہے۔

از ہمیں آتش چراغش روشن ست

اسی آگ سے اس کا چراغ روشن ہے۔

اور پھر آخر میں ایک خوب صورت شعر کہا ہے:

حکمت از قطع و برید جامہ نیست
مانعِ علم و ہنر عمامہ نیست

یعنی کپڑوں کی قطع و برید سے اور تراش خراش سے حاصل نہیں ہوتا کہ کوٹ پتلون پہن لیا تو ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ ہو گئے اور شلوار قمیص پہن لیا تو پسماندہ اور ترقی سے دور ہو گئے، کپڑوں کی تراش خراش سے حکمت نہیں آیا کرتی۔

اگر عمامہ پہن لو گے تو اس سے علم و ہنر میں کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی، تم نے کن ظواہر کو یہ سمجھا ہوا کہ مغرب کو قوت ان سے حاصل ہوئی ہے اور اس کے نتیجے میں اپنی نسلوں کو ان کے پیچھے چلا رہے ہو۔

حقیقت میں مغرب کو ترقی علم و ہنر میں محنت کرنے سے حاصل ہوئی، تم اپنی دینی روایات کو برقرار رکھتے ہوئے علم و ہنر میں محنت کرو گے، تو تم بھی ترقی حاصل کر سکتے ہو، لیکن دنیا کا علم و ہنر بے دین افکار پر موقوف نہیں ہے، نہ اس بات پر موقوف ہے کہ تم اپنے طرز زندگی کو بھی پوری طرح مغرب کے سانچے میں ڈھال لو جیسا کہ تم اس غلط فہمی میں مبتلا ہو اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تم علم و ہنر کے میدان میں بھی آزاد سوچ سے محروم ہو، اس حقیقت کو بھی اقبال مرحوم نے بڑی خوب صورتی کے ساتھ بیان فرمایا ہے، ان کے یہ اشعار ہماری آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہونے چاہئیں، وہ مغرب زدہ حضرات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

علمِ غیر آموختی، اندوختی
روئے خویش از غازہ اش افروختی

تم نے دوسروں کا علم حاصل کر کے اپنا سارا ذخیرہ اسی کو بنا لیا ہے اور اپنے چہرے کو انہی کے غازے (سرخی) سے روشن کر رکھا ہے۔

ارجمندی از شعارش می بری

من نہ دانم، تو توئی یا دیگری

انہی کی امتیازی علامتیں اختیار کر کے فخر کرتے ہو، میری سمجھ میں نہیں آ تا کہ تم تم ہو، یا کوئی اور ہو۔

عقلِ تو زنجیرئ افکارِ غیر
در گلوئے تو نفس از تارِ غیر

تمہاری عقل دوسروں کے افکار کی زنجیر میں بندہی ہوئی ہے اور تمہارے گلے میں سانس بھی دوسروں کے تار سے آتی ہے۔

بر زبانت گفتگوہا مستعار
در دلِ تو آرزوہا مستعار

تمہاری زبان سے جو گفتگو ہوتی ہے، وہ بھی دوسروں سے مانگی ہوئی ہے اور تمہارے دل میں جو آرزویں پیدا ہوتی ہیں، وہ بھی مانگی ہوئی ہیں۔

آں نگاہش سرِّ ما زاغ البصر
سوئے قوم خویش باز اید اگر

وہ ذات گرامی ﷺ جس کی نگاہ کے بارے میں (قرآن نے فرمایا ہے کہ) وہ کبھی ٹیڑھی نہیں ہوئی، اگر اپنی قوم کے پاس دوبارہ تشریف لے آئے۔

لست منی گویدت مولائے ما
وائے ما، اے وائے ما، اے وائے ما

تو وہ ہمارے مولیٰ تمہیں دیکھ کر یہ فرمائیں گے کہ ''تم میرے نہیں ہو'' ہائے ہماری محرومی، ہائے ہماری محرومی، ہائے ہماری محرومی!

اس ہولناک انجام سے اپنے آپ کو بچانے کے لیے ہمیں عصری علوم کی تعلیم کے لیے بھی

ایسی درسگاہیں چاہئیں جو ہر علم وفن کی اعلیٰ تعلیم دیں، لیکن مغرب کی ذہنی غلامی سے آزاد ہو کر دیں، اپنی دینی روایات کو برقرار رکھ کر دیں۔

جامعہ دارالعلوم کراچی نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے دارالعلوم ہی کے ماحول میں پہلے ایک اردو میڈیم اسکول حضرت والد صاحب قدس سرہ کے زمانے میں ہی قائم کر دیا تھا اور اب حراء فاؤنڈیشن اسکول کے نام سے انگلش میڈیم اسکول قائم کیا ہے اور اس کے نصاب ونظام کو مسلمانوں کی دینی ضروریات کے مطابق مرتب کیا گیا ہے اور اس کے نصاب ونظام میں مزید بہتری کی کوششیں مسلسل جاری ہیں، اگرچہ ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ بچوں کو تعلیم ان کی مادری زبان میں دینی چاہئے، لیکن چوں کہ ایک وبا چل پڑی ہے اور جو خاندان اس سے متاثر ہیں اور اپنے بچوں کو انگلش میڈیم ہی میں پڑھانا چاہتے ہیں، ان کی ضرورت کو پوری کرنے کے لیے ہم نے اسے انگلش میڈیم ضرور رکھا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ الحمدللہ قرآن کریم حفظ وناظرہ کی تعلیم پورے اہتمام سے دی جارہی ہے، جیسا کہ آپ نے بچوں کے مظاہرے میں دیکھا، نیز عربی زبان بھی سکھائی جارہی ہے اور اردو کو بھی اچھے معیار کے ساتھ پڑھایا جارہا ہے، اس کے علاوہ بچوں کی دینی تربیت کا بھی اہتمام ہے۔

عزیزم مولانا عمران اشرف سلمہ چوں کہ میرے بیٹے ہیں، اس لیے ان کے لیے تعریفی کلمات کہنے میں مجھے تکلف ہوتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے دن رات کھپا کر کر انتہائی عرق ریزی کے ساتھ جس طرح دارالعلوم کے اس شعبے کے لیے محنت کی ہے اور ان کے رفقاء بالخصوص مولانا نجیب صاحب نے ان کے ساتھ مل کر اسے پروان چڑھانے کی کوشش کی ہے، اللہ تعالیٰ اس پر انہیں جزائے خیر عطا فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العلمین ۔

☆☆☆

اسلام میں وضع قطع کی اہمیت

بشکریہ ماہنامہ الفاروق

جولوگ مغربی تہذیب کے دل دادہ اور شیدائی اور اسلام کی حدود وقیود سے آزاد ہونا چاہتے ہیں وہ سب سے پہلے عیسائیوں اور یہودیوں کی شکل وشباہت اپنانے، انہیں جیسا لباس و پوشاک اختیار کرنے اور اپنی تمام تر سعی وکوشش دین اسلام کے تشخص کو مٹانے میں صرف کرتے ہیں تا کہ آئندہ اقدامات کے لیے راہ ہموار اور راستہ صاف ہوجائے اور زبانی دعویٰ اسلام کے ساتھ مغربی تہذیب وتمدن اپنانے میں کوئی رکاوٹ حائل نہ رہے۔ یعنی نام کے اعتبار سے تو مسلمان کہلائیں لیکن رہن سہن، وضع قطع، ہیئت ولباس اور شکل وصورت میں انگریز بنے رہیں۔

حضرت فقہاء و متکلمین نے مسئلہ تشبہ بالکفار کو باب الارتداد میں شمار کیا ہے، یعنی ایک مسلمان جن چیزوں سے دائرہ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے ان میں سے ایک چیز تشبہ بالکفار بھی ہے، جس کے مختلف درجات ومراتب ہیں اور ہر ایک کا حکم جداگانہ ہے۔

تشبہ کی حقیقت:

اللہ تعالیٰ شانہ نے زمیں سے آسمان تک، خواہ حیوانات ہوں یا نباتات و جمادات، سب کی صورت وشکل علیحدہ بنائی، تا کہ ان میں امتیاز رہے، کیوں کہ امتیاز کا آسان ذریعہ ظاہری شکل وصورت اور ظاہری رنگ روپ ہے، انسان اور جانور میں شیر اور گدھے میں، گھاس اور زعفران میں، باورچی خانہ اور پاخانہ مین، جیل خانہ اور شفاخانہ میں جو امتیاز ہے وہ دوسری چیزوں کے علاوہ اس ظاہری شکل وصورت کی بنا پر بھی ہے، مثلاً اگر کوئی مرد، مردانہ خصوصیات اور امتیازات چھوڑ کر زنانہ خصوصیات اختیار کرلے، عورتوں جیسا لباس انہیں کی طرح بود وباش اور انہیں کی طرح بولنے لگے، حتی کہ اس مرد کی تمام حرکات وسکنات عورتوں جیسی ہوجائیں تو وہ شخص مردنہ

کہلائے گا، بلکہ مخنث اور ہیجڑا کہلائے گا، حالاں کہ اس کی حقیقت رجولیت میں کوئی فرق نہیں آیا اس نے صرف لباس وہیئت میں تبدیلی کی ہے، پس معلوم ہوا کہ اگر اس مادی عالم میں خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت نہ کی جائے اور التباس واختلاط کا دروازہ کھول دیا جائے تو پھر کسی نوع کا اپنا علیحدہ تشخص اور وجود باقی نہ رہے گا۔

اسی طرح اقوام اور امم کے اختلافات کو سمجھنا چاہئے کہ مادی کائنات کی طرح دنیا کی قومیں اپنے معنوی خصائص اور باطنی امتیازات کے ذریعہ ایک دوسرے سے ممتاز اور جدا ہیں، مسلم قوم، ہندو قوم، عیسائی قوم اور یہودی قوم باوجود ایک باپ کی اولاد ہونے کے مختلف قومیں کیوں اور کیسے بن گئیں؟ وجہ صرف یہی ہے کہ ہر قوم کا عقیدہ وعبادت، تہذیب وتمدن اور اس کا طرز لباس وپوشاک اور طریق خورد ونوش دوسری قوم سے جدا ہے باوجود ایک خدا ماننے کے ہر ایک کی عبادت کی شکل وصورت علیحدہ ہے، عبادات کی انہیں خاص خاص شکلوں اور صورتوں کی وجہ سے مسلم، کافر سے اور موحد، مشرک اور بت پرست علیحدہ جانا اور پہچانا جاتا ہے اور ایک عیسائی ایک پارسی سے جدا ہے، جب تک ہر قوم اپنی مخصوص شکل اور ہیئت کی حفاظت نہ کرے قوموں کا امتیاز باقی نہیں رہ سکتا، پس جب تک کسی قوم کی مذہبی اور معاشرتی خصوصیات باقی ہیں اس وقت تک وہ قوم بھی باقی ہے اور جب کوئی قوم کسی دوسری قوم کی خصوصیات اختیار کرلے اور اس کے ساتھ خلط ملط اور مشتبہ ہوجائے تو یہ قوم اب فنا ہوگی اور صفحۂ ہستی پر اس کا وجود باقی رہنا ناممکن ہوجائے گا۔

تعریف تشبہ:

اتنی معروضات کے بعد تشبہ کی تعریف ملاحظہ فرمائیں:

اپنی حقیقت اور اپنی صورت ووجود کو چھوڑ کر دوسری قوم کی حقیقت اور اس کی صورت اختیار کرنا اور اس کے وجود میں مدغم ہوجانا تشبہ ہے۔

اپنی ہستی کو دوسری کی ہستی میں فنا کر دینے کا نام تشبہ ہے۔

اس لیے شریعت حکم دیتی ہے کہ مسلمان قوم ظاہری طور پر دوسری قوم سے ممتاز ہو، لباس میں بھی ممتاز اور وضع قطع میں بھی ممتاز ہونی چاہئے، مسلمان مرد کے چہرہ اور جسم پر کسی علامت کا ہونا ضروری ہے جس سے پتہ چلے کہ یہ مسلمان ہے، سو وہ داڑھی اور لباس ہے، بغیر داڑھی کے ایک مسلمان شخص کی شناخت نہیں ہوسکتی، معلوم ہوا کہ اسلامی امتیاز کے لیے مسلمان مرد کے لیے داڑھی ہونا ضروری ہے۔

کافروں کی مشابہت سے ممانعت اور اسلامی خصوصیات اور امتیازات کی حفاظت کا منشا معاذ اللہ! تعصب اور تنگ نظری نہیں بلکہ اسلامی غیرت وحمیت اور ملت اسلامیہ کو کفر والحاد اور زندقہ سے بچانا مطلوب ہے ورنہ ملت اسلامیہ آزاد اور مستقل قوم کبھی نہیں کہلا سکتی۔

تشبہ کی اقسام اوران کے احکام:

اعتقادات اور عبادات میں کفار ومشرکین کی مشابہت کفر اور ارتداد کا سبب ہے، جیسے ہندو کئی ایک خدا اور عیسائی تین خدا کے قائل ہیں، اسی طرح خالق، مالک مدبر اور عبادت کے لائق انبیاء، اولیاء، ملائکہ اور جنوں وغیرہ کو سمجھنا۔

مذہبی رسومات میں کفار کی مشابہت حرام ہے، جیسے نصاری کی طرح سینہ پر صلیب لٹکانا یا ہندوؤں کی طرح زنار باندھنا یا پیشانی پر قشقہ لگانا، ان چیزوں کے استعمال کی حرمت کے ساتھ ساتھ ان کے استعمال میں کفر کا اندیشہ بھی ہے، کیوں کہ علانیہ کفریہ شعائر کا اختیار کرنا قلبی تعلق اور رضا کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

تشبہ کی یہ قسم اگر چہ قسم اول سے درجہ میں کم ہے مگر پیشاب اور پاخانہ میں فرق ہونے سے کیا کوئی پیشاب کا پینا گوارا کرلے گا؟ ہر گز نہیں۔

معاشرت، عادات اور قومی شعائر میں کفار کا تشبہ مکروہ تحریمی ہے، مثلاً کسی قوم کا مخصوص لباس استعمال کرنا جو خاص اس قوم کی طرف منسوب ہو، جس کا استعمال کرنے والا اسی قوم کا ایک فرد سمجھا جانے لگے، جیسے نصرانی ٹوپی اور ہندوانہ دھوتی اور جوگیانہ جوتی یہ سب ناجائز ممنوع اور تشبہ میں داخل ہیں، جب کہ بطور تفاخر یا عیسائیوں ہندوؤں اور دوسرے کافروں کی وضع بنانے کی نیت سے ہو تو اور بھی زیادہ گناہ ہے۔

باقی کافروں کی زبان اور ان کے لب ولہجہ اور طرز تکلم کو اس لیے اختیار کرنا کہ ہم بھی انگریزوں کے مشابہ بن جائیں اور ان کے زمرہ میں داخل ہو جائیں تو بلاشبہ ممنوع ہوگا، یہاں اگر انگریزی زبان سیکھنے سے انگریزوں کی مشابہت مقصود نہ ہو بلکہ محض زبان سیکھنا مقصود ہو، تا کہ کافروں کی غرض سے آگاہ ہو سکیں، اور ان سے تجارتی اور دنیاوی امور میں خط وکتابت کر سکیں تو پھر انگریزی زبان سیکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ایجادات، اسلحہ اور سامان جنگ میں غیروں کا طریقہ اپنانا جائز ہے جیسے توپ، بندوق اور ہوائی جہاز، موٹر اور مشین گن وغیرہ، کیوں کہ شریعت اسلامیہ نے ایجادات کے طریقے نہیں بتلائے، ایجادات اور صنعت وحرفت کو لوگوں کی عقل، تجربے اور ان کی ضرورت پر چھوڑ دیا البتہ اس کے احکام بتلا دیئے کہ کون سی صنعت وحرفت جائز ہے اور کس حد تک جائز ہے۔

اسلام میں مقاصد کی تعلیم دی گئی ہے، اسلام یہ بتاتا ہے کہ ایجادات ایسی نہ ہو کہ جس سے تمہارے دین میں خلل آئے یا بلا سبب جان کا خطرہ ہو اور وہ ایجادات ایسی ہوں کہ جن کا بدل مسلمانوں کے پاس نہیں اور اگر وہ ایجادات ایسی ہوں کہ ان کا بدل مسلمانوں کے پاس موجود ہے تو اس میں تشبہ مکروہ ہے جیسے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فارسی کمان کے استعمال سے منع فرمایا اس لیے کہ اس کا بدل مسلمانوں کے پاس عربی کمان موجود تھی اور دونوں کی منفعت برابر تھی، صرف ساخت کا فرق تھا۔

ایک کام جائز اور مباح ہے، لیکن کافروں کی مشابہت کی نیت اور دشمنان دین سے تشبہ کے قصد سے ہوتو شریعت اس کو بھی منع کرتی ہے، کیوں دشمنان دین کے ساتھ تشبہ کی نیت سے کوئی کام کرنا اس امر کے ساتھ تشبہ اور مشابہت گوارا نہیں، اسی طرح خداوند قدوس کو یہ گوارا نہیں کہ اس کے دوست اور اس کے نام لیوا یعنی مسلمان اس کے دشمنوں یعنی کافروں کی مشابہت اختیار کریں۔حق تعالی کا ارشاد ہے:

ولاتركنوا الى الذين ظلموا فتمسكم النار۔(ہود۱۱۳)

اور نہ جھکو، ان کی طرف جو ظالم ہیں، پھرتم کو لگے گی آگ۔

اور کفار کی مشابہت سے یہ اندیشہ بھی ہے کہ تمہارے دل بھی ان کے دلوں کی طرح سخت نہ ہو جائیں اور کہیں قبول حق کی صلاحیت ہی نہ ختم ہو جائے۔

علامہ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب الزواجر عن اقتراف الکبائر میں حضرت مالک بن دینارؒ سے ایک نبی کی وحی نقل کی ہے۔

قال مالک بن دينار: اوحى الله الى نبى من الانبياء ان قل لقومک: لا يدخلوا مداخل اعدائى، ولايلبسوا ملابس اعدائى، ولايركبوا مراكب اعدائى، ولايطعموا مطاعم اعدائى فيكونوا اعدائى كما هم اعدائى. (الزواجر عن اقتراف الکبائر ۱/۱۱)

مالک بن دینار کہتے ہیں کہ انبیاء سابقین میں سے ایک نبی کی طرف اللہ تعالی نے وحی بھیجی کہ آپ اپنی قوم سے کہہ دیں کہ میرے دشمنوں کی جگہوں میں نہ داخل ہوں، اور نہ میرے دشمنوں جیسا لباس پہنیں، اور نہ میرے دشمنوں جیسے کھانے کھائیں اور نہ میرے دشمنوں جیسی سواریوں پر سوار ہوں ہر چیز میں ان سے ممتاز اور جدا رہیں ایسا نہ ہو کہ ان کا شمار بھی میرے دشمنوں میں ہونے لگے۔

قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے **ومن يتولهم منكم فانه منهم** یعنی جو کفار سے دوستی

کرے گا انہی میں شمار ہوگا اور حدیث نبوی میں بھی ہے: **من تشبہ بقوم فھو منھم** (ابوداود ۵۵۹/۲) یعنی جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا۔

بلاضرورت کافر قوم کا لباس اختیار کرنے کا مطلب تو یہ ہے کہ معاذ اللہ! ہم زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ لاؤ! ہم بھی کافر بنیں، اگر چہ صورت ہی کے اعتبار سے کیوں نہ بن جائیں۔

لوگ انگریزی وضع قطع کو اس لیے اپناتے ہیں کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید وضع قطع اہل حکومت اور اہل شوکت کی ہے اور جب ہم انگریزوں کے ہم شکل بنیں گے، چاہے وہ لباس کے اعتبار سے ہی کیوں نہ ہو تو عزت ملے گی، حالاں کہ ایسا نہیں ہے۔ یہ عزت اور ذلت اللہ کے پاس ہے، جیسا کہ ارشاد ہے: **ایبتغون عندھم العزة فان العزة اللہ جمیعا** ۔(النساء۱۳۹) کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت سو عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وللہ العزة ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لایعلمون ۔(المنافقون ۸)

اور زور تو اللہ کا ہے اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا، لیکن منافق نہیں جانتے۔

الغرض جو کسی کا عاشق بنے گا اس کو معشوق کی چال ڈھال، وضع قطع، سیرت وصورت اور لباس اپنانا پڑے گا اب اختیار ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنین کے عاشق بن جاؤ، یا یورپ کے عیاشوں اور اوباشوں کی معاشرت، تہذیب وتمدن اور رہن سہن کے طریقے اپنا کر اللہ اور اس کے رسول کو ناراض کر دو۔

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دل جلا کے سر عام رکھ دیا

☆☆☆

قسط آخر

اسماء حسنیٰ کے معارف

پیر ذوالفقار احمد نقشبندی

اسم ذات میں مشغولیت کی انتہا

کوشش کریں کہ ذکر کرتے کرتے دل میں اللہ رب العزت کی ایسی محبت نصیب ہو جائے کہ اللہ رب العزت کے سوا ہر چیز کو بھول جائیں۔

ضربیں لگا کے کلمۂ طیب کی بار بار
دل پہ لگا جو زنگ ہے اس کو ہٹایئے
مشغول اسمِ ذات میں ہوں آپ اس طرح
اس کے سوا ہر ایک کو بس بھول جایئے

بلکہ ایک بزرگ تو یہاں تک فرماتے تھے کہ **عجب لمن یقول ذکرت بی**
جب کوئی کہتا ہے کہ میں نے اپنے رب کا ذکر کیا تو میں تعجب کرتا ہوں
گویا وہ یہ کہنا چاہتے تھے کہ میں اللہ کو بھولتا ہی کب ہوں جو میں اسے یاد کروں

شربت الحب کاسا بعد کاس
فما نفد الشراب ولا رویت

میں نے محبت کی شراب پیالوں کے پیالے پی لی۔ پس نہ تو شراب ختم ہوئی اور نہ ہی میں سیر ہوا اللہ والوں کے عشق کا تو معاملہ ہی اور ہے کہ وہ جام بھر بھر کے پیتے ہیں اور ان کے دل بھرتے ہی نہیں۔

رحمان کی شان پوچھنا چاہوتو

اسی لیے اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا

الرحمن فسئل به خبیرا (الفرقان:۵۹)

رحمٰن کے بارے میں خبر رکھنے والوں سے پوچھو

اللہ تعالی یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ اگر تم ہمارے عشق ومحبت کی داستانیں پوچھنا چاہتے ہوتو ہمارے عاشقوں سے پوچھو کسی انجان سے نہ پوچھنا، ان بے چاروں کو کیا پتہ۔

ہمارے حسن وجمال کی داستانیں ہمارے عاشقوں سے پوچھو۔

ہماری شان ہمارے دوستوں سے پوچھو۔

ہماری شوکت کیسی ہے؟

الرحمن فسئل به خبیرا

ہم کتنے غیور ہیں کہ جب کوئی بندہ کسی غیر کی طرف محبت کی نظر اٹھاتا ہے تو ہم اس سے روٹھ جاتے ہیں، نظریں ہٹا لیتے ہیں، اس کو اپنے در سے پیچھے ہٹا دیتے ہیں۔ اس بندے کو ہماری شانِ بے نیازی معلوم کرنی ہو تو **الرحمن فسئل به خبیر ا**۔ ہم ایسے بے نیاز ہیں کہ بلعم باعور کی چار سو سال کی عبادت کو ٹھوکر لگا کر رکھ دیتے ہیں۔ مصر کے مینارے پر اذان دینے کے لیے آدمی چڑھتا ہے، وہ غیر محرم پر نظر ڈالتا ہے اور اس کا ایمان سلب کر لیا جاتا ہے، نیچے اتر کر مرتد بن جاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ہماری شان ہمارے عاشقوں سے پوچھو۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا کہ اے میرے بندو! میں سب گناہوں کو بخش دوں گا لیکن اگر تم شرک کرو گے اور میری محبت میں کسی اور کو شامل کرو گے تو میں اس بات کو قطعاً معاف نہیں کروں گا۔ کسی نے کسی محدث سے پوچھا، حضرت! جب شرک بھی ایک گناہ ہے تو پھر یہ معافی کے قابل کیوں نہ ٹھہرا؟ انہوں نے فرمایا کہ شرک گناہ بھی ہے اور ساتھ ساتھ

اللہ تعالیٰ کی غیرت کا معاملہ بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب تم نے ہمارے حسن و جمال کو جان لینے کے باوجود محبت کی نظر غیر کی طرف اٹھالی تو ہم تم کو اپنے در پر نہیں آنے دیں گے۔

ہم کتنے عظیم ہیں کہ ہمارے سامنے جب کوئی آدمی ناز کرتا ہے تو ہم اس کے ناز کو توڑ دیتے ہیں۔ جب کوئی تکبر کرتا ہے تو ہم اس کو سزا دیتے ہیں۔ **الکبر ردائی** (بلندی اور عظمت تو ہماری چادر ہے)

ہمارا حکم چلتا ہے ہمارے سب بندے ہمارے سامنے سرنگوں ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام چاہتے ہیں کہ میں جنت میں رہوں لیکن اللہ تعالیٰ نہیں چاہتے، چناں چہ ان کو جنت چھوڑ کر زمیں پر آنا پڑا۔ حکم کس کا چلا؟ اللہ رب العزت کا۔ حضرت نوح علیہ السلام چاہتے ہیں کہ میرا بیٹا بچ جائے لیکن اللہ تعالیٰ نے نہ چاہا اور ان کا بیٹا غرق ہو گیا۔ حکم کس کا چلا؟ اللہ رب العزت کا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹے کو چھری کے نیچے دے کر لٹائے ہوئے ہیں، وہ چاہتے ہیں کہ ذبح کر دیں لیکن اللہ رب العزت نے نہ چانا۔ لہذا بیٹا ذبح نہ ہوا۔ حکم کس کا چلا؟ اللہ رب العزت کا۔ نبی علیہ السلام نے اپنے اوپر شہد کا کھانا منع فرمادیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے وحی نازل فرمادی:

یا یھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک (التحریم:۱)

اے نبی! تم وہ کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لیے حلال کیا ہے

اللہ تعالیٰ کے اس خطاب کے بعد اللہ کے محبوب ﷺ نے بھی اللہ کی مرضی پر عمل کیا۔ حکم کس کا چلا؟ اللہ رب العزت کا۔ قیامت والے دن اللہ تعالیٰ فرمائیں گے **لمن الملک الیوم** (آج کس کی بادشاہت ہے) کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا۔ ایک ہزار سال تک خاموشی رہے گی۔ پھر اللہ رب العزت خود ہی ارشاد فرمائین گے۔ **للہ الواحد القھار** (المومن:۱۶) اللہ اکبر۔ **الرحمن فسئل بہ خبیرا** (اللہ کے بارے میں اس کے جاننے والوں سے پوچھو)

پیاروں کی دلداری

ایک روایت میں آیا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کوارشاد فرمایا، ''اے میرے پیارے موسی! میرے کچھ بندے ایسے ہیں کہ وہ سرگوشی کریں تو میں کان لگا کرسنتا ہوں، وہ پکارتے ہیں تو میں متوجہ ہوجاتا ہوں، وہ میری طرف آتے ہیں تو میں ان کے قریب ہوجاتا ہوں، وہ میرا تقرب ڈھونڈتے ہیں تو میں ان کو کفایت کرتا ہوں، وہ مجھے اپنا سرپرست بنالیتے ہیں تو میں ان کی سرپرستی قبول کرلیتا ہوں، وہ خالص مجھ سے محبت کرتے ہیں اور میں بھی ان سے محبت کرتا ہوں، وہ عمل کرتے ہیں تو میں ان کو جزا دیتا ہوں، میں ان کے کاموں کا مدبر ہوں، میں ان کے قلوب کا نگہ بان ہوں، ان کے احوال کا متولی ہوں، ان کی بیماریوں کا شافی ہوں، ان کے دلوں کی روشنی ہوں، ان کے دلوں کی تسکین ہوں، ان کے دلوں کی تسکین میری یاد میں ہے، ان کے دلوں کی منزل میرے پاس ہے، ان کو میرے سوا چین نہیں ملتا۔''

کاش کہ ہمیں بھی اللہ کی محبت میں وہ کیفیت نصیب ہوجائے کہ اللہ کی یاد کے سوا ہمیں چین ہی نہ آئے۔ جس طرح ایک آدمی اگر ایک وقت کھانا نہ کھائے تو وہ اگلے وقت کمی محسوس کرتا ہے، اسی طرح اگر ہم بھی ایک وقت میں اوراد و وظائف نہ کریں تو ہمیں بھی قلبی طور پر کمی محسوس ہوگی۔ ذکر کے بغیر ہمیں کھانا اور نیند اچھی ہی نہ لگے۔ جب یہ کیفیت دل میں آجائے گی تو پھر اللہ رب العزت ہمیں بھی اپنے عاشقین میں شامل فرمادیں گے۔

صفاتی ناموں کے معارف

اب تک تو آپ نے اسم جلالہ ''اللہ'' کی برکات سنیں۔ اب کچھ صفاتی ناموں کا ذکر کیا جائے گا۔ ان میں سے دو نام تو ایسے ہیں جن کا احادیث کے اندر ذکر آیا ہے۔ اور تین نام اسماء الحسنٰی میں سے بیان کیے جائیں گے۔

غلافِ کعبہ پر دو صفاتی ناموں کی کثرت

اللہ کے دو صفاتی نام ہیں۔

(۱) حنان

(۲) منان

یہ دونوں نام اسماء الحسنی میں سے نہیں ہیں لیکن احادیث میں آئے ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اگر آپ حج یا عمرہ پر جائیں تو غلافِ کعبہ پر ہر دوسری تیسری لائین پر ''یا حنان، یا منان'' لکھا ہوا نظر آئے گا۔ چاروں طرف پوری پوری لائن پر یہی نام لکھے ہوئے ہیں اور بھی نام لکھے ہوئے ہیں مگر ان کی پوری لائنیں نہیں ہیں۔ یہ عاجز بہت عرصہ تک سوچتا رہا کہ آخر علمائے امت نے ان دو ناموں کی پوری پوری لائنیں کیوں لکھی ہوئی ہیں، جب ان کے معانی سوچنے لگے تو عجیب وغریب معانی سامنے آئے۔

حنان کا مفہوم اور معارف

حنان اس ہستی کو کہتے ہیں کہا گر اس سے کوئی روٹھنا چاہے تو وہ اسے روٹھنے نہ دے۔ یعنی اللہ تعالی اپنے بندوں کو اپنے سے دور نہیں جانے دیتے۔ اس لیے جب کوئی بندہ اللہ رب العزت کے در سے غافل ہوتا ہے تو وہ اس کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہیں، کبھی اس کے کاروبار میں پریشانی کبھی صحت میں پریشانی، کبھی کوئی اور پریشانی۔ یہ چھوٹی موٹی پریشانیاں اس لیے آتی ہیں کہ یہ جاگے اور میرے در پر آئے۔

یہاں ایک بزرگ نے نکتہ لکھا ہے کہ پاک ہے وہ پروردگار جو اپنے بندوں کو پریشانیوں کی رسیوں میں جکڑ جکڑ کر اپنی بارگاہ کی طرف کھینچ رہا ہوتا ہے۔ جیسے مچھلی شکاری سے دور بھاگتی ہے تو وہ اس کو قریب کھینچتا ہے اسی طرح جب بندہ اپنے گناہوں کی وجہ سے اللہ سے دور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالی اس کے حالات اس طرح بنا دیتے ہیں کہ جن کی وجہ سے اسے Ileat پہنچتی ہے اور وہ اللہ کے در پر آ کر

دعائیں مانگنا شروع کر دیتا ہے۔ دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کتنے بہترین انداز میں فرمایا:

فاین تذھبون؟ (او میرے بندو! تم کدھر جا رہے ہو؟)

ایک اور جگہ پر فرمایا

یایھا الانسان ماغرک بربک الکریم (الانفطار:٦)

اے انسان! تجھے تیرے کریم پروردگار سے کس چیز نے دھوکے میں ڈال دیا

جیسے ماں اپنے بیٹے کو پیار سے منا رہی ہوتی ہے کہ بیٹا! تو اپنی امی سے روٹھ گیا، اس انداز میں فرمایا کہ تم مجھ سے کیوں روٹھ رہے ہو؟

منان کا مفہوم اور معارف

منان اس ہستی کو کہتے ہیں جو احسان تو کرے مگر اس کو احسان جتلانے کی عادت نہ ہو۔ کئی لوگ احسان تو کرتے ہیں مگر جتلاتے بھی بہت ہیں لیکن اللہ تعالیٰ وہ احسان فرمانے والے ہیں کہ جو بندوں پر احسان بھی کرتے ہیں اور جتلاتے بھی نہیں ہیں۔ اب دیکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہمارے اوپر کتنے احسانات ہیں۔

یاد رکھیں کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں

بینائی نہ دیتے تو ہم اندھے ہوتے۔

گویائی نہ دیتے تو ہم گونگے ہوتے۔

سماعت نہ دیتے تو ہم بہرے ہوتے۔

عقل نہ دیتے تو ہم پاگل ہوتے۔

صحت نہ دیتے تو ہم بیمار ہوتے۔

مال پیسہ نہ دیتے تو ہم فقیر ہوتے۔

عزت نہ دیتے تو ہم ذلیل ہوتے۔

اولاد نہ دیتے تو ہم لاولد ہوتے۔

معلوم ہوا کہ ہم جو عزتوں بھری زندگی گزار رہے ہیں، یہ اس مالک کا احسان ہی تو ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں میں سے ایک نعمت ایسی بھی دی کہ اس نعمت جیسی اور کوئی نعمت تھی ہی نہیں۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لقد من الله علی المومنین اذ بعث فیهم رسولا (آل عمران:۱۶۴)

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ اس نے اپنے محبوب ﷺ کو ان میں مبعوث فرمایا

واقعی کائنات میں کوئی دوسری نعمت ایسی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ جیسے کسی کو اپنے ماڈل پر بڑا ناز ہوتا ہے اسی طرح یوں لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی اپنے محبوب پر اتنا ناز تھا کہ اس نعمت کو بھیجتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ ہاں ہم نے ایمان والوں پر احسان فرمایا ہے۔

کریم کا مفہوم اور معارف

اسماء الحسنیٰ میں سے اللہ تعالیٰ کا ایک نام کریم ہے۔ کریم اس ہستی کو کہتے ہیں جو کسی سائل کو آتا ہوا دیکھے تو اس کی کیفیت کا خود اندازہ لگا کر اس کے مانگنے سے پہلے اس کو عطا کر دے۔ کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ کچھ لوگوں کو دیکھتے ہیں تو ان کے مانگنے سے پہلے ان کو کچھ دے دیتے ہیں۔ اسی طرح جب بندہ سچی توبہ کی نیت سے اپنے گھر سے چل کر اللہ کے در پر پہنچ جاتا ہے تو اس کا ندامت سے چل کر آ جانا ہی کافی ہو جاتا ہے اگرچہ اس نے ابھی تک ہاتھ ہی نہ اٹھائے ہوں۔

بخاری شریف میں روایت ہے کہ ایک آدمی جس نے سو آدمیوں کو قتل کیا تھا توبہ کے ارادے سے نیکوں کی بستی کی طرف چل پڑا۔ ابھی پہنچا نہیں تھا بلکہ راستے میں ہی تھا کہ اسے موت آ جاتی

ہے۔ جنت کے فرشتے بھی آ جاتے ہیں اور جہنم کے بھی، اب دونوں طرف سے دلائل چلتے ہیں۔ دوزخ کے فرشتوں کا دعویٰ تھا کہ سو بندوں کا قاتل ہے لہذا اسے ہم لے کر جائیں گے۔ جب کہ جنت کے فرشتوں کا دعویٰ تھا کہ توبہ کی نیت سے چل پڑا تھا لہذا ہم لے جائیں گے۔ معاملہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوا۔ پروردگار عالم نے فرمایا کہ تم زمین کی پیمائش کرلو کہ یہ کس بستی کے زیادہ قریب ہے، اگر اپنی بستی کی قریب ہے تو یہ گنہ گاروں میں سے اور اگر نیکوں کی بستی کے قریب ہے تو پھر یہ نیکوں کاروں میں شامل ہے۔ چناں چہ زمین کی پیمائش کی گئی۔ اللہ تعالی نے زمین کو حکم دے دیا کہ اے نیکوں کی طرف والی زمین! تو ذرا سکڑ جا۔ چناں چہ زمین سکڑ گئی۔ لہذا جب پیمائش کی گئی تو فرشتوں نے دیکھا کہ اسے دونوں طرف کے راستے کے بالکل درمیان میں موت آئی اور اس کی لاش نیکوں کی بستی کی طرف گری تھی۔ اب چوں کہ اس کی لاش نیکوں کی بستی کی طرف گری، لہذا اللہ تعالی نے اتنے قرب کو بھی قبول کر کے اسے کا شمار نیکوں میں فرما دیا۔ تو اگر مرتے مرتے بھی ہماری لاش نیکوں کی طرف گر جائے گی۔ تو اللہ تعالی پھر بھی نیکوں میں شمار کر دیں گے اور اگر ہم جیتے جاگتے ان محفلوں میں جا کر ان کی صحبت اختیار کریں گے تو پھر اللہ تعالی ہمارے آنے کو کیوں نہیں قبول فرمائیں گے۔

قیامت کے دن اس کریم ذات کا کرم ظاہر ہوگا۔ اسی لیے کسی عارف نے کیا ہی خوب کہا:

وفدت علی الکریم بغیر زاد

من الاعمال والقلب السلیم

فان الزاد اقبح من کل شیء

اذا کان الوفود علی الکریم

میں کریم کی خدمت میں بغیر زادِراہ کے حاضر ہو گیا ہوں، نہ میرے پاس اعمال ہیں اور نہ سنورا ہوا دل ہے اور زادِراہ سب سے بری چیز سمجھی جاتی ہے جب جانے والے نے کسی کریم کے پاس جانا ہو

اگر کوئی منسٹر آپ کو اپنے گھر کھانے پر بلائے اور آپ اپنا کھانا ٹفن میں لے کر جائیں تو کیا وہ اچھا سمجھے گا؟ وہ کہے گا کہ تم میری دعوت پر آئے ہو اپنا کھانا ساتھ کیوں لائے ہو؟

علماء نے کریم کا ایک معنی یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ کریم وہ ذات ہوتی ہے جو اگر کوئی چیز دے دے تو اسے واپس لینے کی عادت نہ ہو۔ اللہ تعالی اپنی نعمتیں واپس نہیں لیتے البتہ ہم اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی وجہ سے ان نعمتوں کو دھکے دے دے کر واپس بھیجتے ہیں۔

رحمان اور رحیم کے معارف

اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت بھی ایک عجیب صفت ہے۔ یہ عجیب اور مزے کی بات ہے کہ اللہ تعالی کی جتنی بھی صفات ہیں، ہر صفت کے مقابلے میں اللہ تعالی کا ایک نام ہے لیکن اللہ تعالی کی رحمت کی صفت ایسی ہے کہ اس کے مقابلہ میں اس کے دو نام ہیں۔ ''ایک رحمٰن اور رحیم'' معلوم ہوا کہ یہ صفت باقی صفات پر غالب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالی فرماتے ہیں:

ورحمتی وسعت کل شیء (الاعراف:۱۵۶)

اور میری رحمت نے ہر چیز کا احاطہ کیا ہوا ہے۔

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دو نام بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ حالاں کہ رحمٰن بھی رحمت سے نکلا اور رحیم بھی رحمت سے نکلا، ایک نام ہی کافی تھا۔ لیکن غور کرنے سے یہ بات بخوبی سمجھ میں آ جاتی ہے۔ دیکھیں کہ بندے کا امیر ہونا ایک صفت ہے اور اس کا سخی ہونا دوسری صفت ہے۔ عین ممکن ہے کہ ایک بندہ بڑا امیر ہو لیکن کنجوس مکھی چوس ہو اور ایک دمڑی بھی خرچ نہ کرتا ہو، اللہ کے راستے میں خرچ کرنے سے اس کے دل کو کچھ ہوتا ہو۔ اب یہ امیر تو ہے مگر اس میں خرچ کرنے کی صفت نہیں ہے اور ایک آدمی دل کا حاتم طائی ہو مگر اس کے پلے ہی کچھ نہ ہو تو اس کی سخاوت کا یہ جذبہ بھی کسی کام کا نہیں۔

مال کا ہونا ایک علیحدہ صفت ہے اور مال کو خرچ کرنے کی عادت ایک علیحدہ صفت ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمت کے دو نام تجویز کئے۔ایک رحمٰن اور ایک رحیم۔گویا اللہ تعالیٰ نے بتادیا کہ اے میرے بندو! میرے پاس رحمت کے خزانے بھی بے شمار ہیں اور میری رحمت خرچ بھی بے شمار ہو رہی ہے۔

رحمٰن کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے پرائے سب پر مہربان ہے۔مسلمانوں پر بھی مہربان ہے اور کافروں پر بھی۔کافر بھی تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں،اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو بھی اولاد دیتے ہیں، عزتیں دیتے ہیں،ان کے کاروبار میں ترقی دیتے ہیں،انہیں دنیا میں خوشیاں دیتے ہیں اور ان کی کئی تمنائیں پوری ہوتی ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کے نیک اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیتے ہیں۔ اور رحیم کا مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن تو اس کی رحمت خالصتاً ایمان والوں کے لیے ہوگی۔ اسی لیے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

کان بالمومنین رحیما۔(الاحزاب:۴۳)

اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کے دو حصے ہیں۔ایک رحمانیت اور ایک رحیمیت۔اللہ تعالیٰ نے مرد کے اندر رحمانیت کی تجلی کو زیادہ رکھ دیا ہے اور عورت کے اندر رحیمیت کی تجلی کو زیادہ رکھ دیا ہے۔اس لیے باپ بھی اولاد سے محبت تو کرتا ہے لیکن جہاں ڈسپلن کا مسئلہ آجاتا ہے وہاں اس کو سیدھا بھی کر دیتا ہے۔ چوں کہ اللہ تعالیٰ نے نظام کو ٹھیک رکھنا تھا اس لیے اس نے باپ کی طبیعت ہی ایسی بنادی کہ وہ نرمی بھی دکھاتا ہے اور گرمی بھی دکھاتا ہے۔وہ اسے پیار بھی دیتا ہے اور شیر کی آنکھ سے بھی دیکھتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے ماں کے اندر رحیمیت کی صفت کو ڈالا ہوتا ہے اس لیے دنیا میں ماں ہی تو ہے جو اپنے نیک بچوں سے محبت کرتی ہے تو اسے برے بچوں سے بھی محبت ہوتی ہے۔باپ اپنے برے بیٹے سے کہہ دے گا کہ چلو گھر سے دفع ہو جاؤ لیکن ماں کبھی نہیں کہے گی۔بلکہ ماں کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ خود تو مار لے گی لیکن وہ کسی اور کو نہیں مارنے دے گی۔باپ لائق سے محبت کرے گا لیکن نالائق بچوں سے بیزاری کا

اظہار بھی کردے گا مگر ماں تو ماں ہوتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں کیا کروں، لائق اور نالائق ہونا تو مقدر کی بات ہے، میں تو اپنی ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر اپنی ساری اولاد سے محبت کروں گی۔ ماں کو مال پیسے کی طلب نہیں ہوتی۔ اس کی محبت اس کے دل کے اس جذبہ کی وجہ سے ہے جس سے وہ سمجھتی ہے کہ یہ میرا جگر گوشہ ہے، یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون ہے۔

رحمتِ الٰہی کی انتہاء

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا تو یہ حال ہے کہ ایک آدمی جو بتوں کا پجاری تھا وہ بیٹھا ''یا صنم! یا صنم! یا صنم! کی تسبیح پڑھ رہا تھا۔ وہ یا صنم کہتے کہتے رات کو تھک گیا تو اسے اونگھ آنے لگ گئی۔ جب اونگھ آئی تو اس کی زبان سے یا صنم کے بجائے یا صمد نکل گیا۔ جیسے اس کی زبان سے یہ لفظ نکلا تو اللہ رب العزت نے فوراً فرمایا:

لبیک یا عبدی! (میرے بندے! میں حاضر ہوں، مانگ کیا مانگتا ہے؟)

فرشتے حیران ہو کر پوچھنے لگے، اے اللہ! یہ بتوں کا پجاری ہے اور ساری رات بت کے نام کی تسبیح کرتا رہا ہے، اب نیند کے غلبہ کی وجہ سے اس کی زبان سے آپ کا نام نکل گیا ہے اور آپ نے فوراً متوجہ ہو کر فرمایا کہ اے میرے بندے! تو کیا چاہتا ہے، اس میں کیا راز ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، میرے فرشتو! وہ ساری رات بتوں کو پکارتا رہا اور بت نے کوئی جواب نہ دیا، جب اس کی زبان سے میرا نام نکلا، اگر میں بھی جواب نہ دیتا تو مجھ میں اور بت میں کیا فرق رہ جاتا۔ تو جو پروردگار اتنا مہربان ہو کہ بندے کی زبان سے نیند کی حالت میں بھی اگر نام نکل جائے تو پروردگار اس کو بھی قبول فرما لیتے ہیں تو اگر ہم ہوش وحواس میں دعائیں مانگیں گے تو پروردگار ہماری دعاؤں کو کیوں نہ قبول فرمائیں گے۔ دعا ہے کہ پروردگار عالم ہمیں اپنی سچی محبت عطا فرما دے، اور موت کے وقت ہمارے پاس ایمان کی نعمت سلامت رہے اور قیامت کے دن ہم نبی اکرم ﷺ کے جھنڈے کے سائے تلے حاضر ہو جائیں۔ ☆☆☆

خبرنامہ

روایتی مذہبی رسومات میں حکومتی مداخلت نامناسب۔

ہائیکورٹ

لکھنؤ (یو این آئی) الہ آباد ہائی کورٹ کی لکھنؤ بنچ نے بہرائچ میں سید سالار مسعود غازی کی درگاہ پر منعقد ہونے والے سالانہ عرس، جسے جیٹھ میلہ بھی کہا جاتا ہے، کے معاملہ میں ایک اہم تبصرہ کیا ہے۔ ہائی کورٹ نے کہا کہ عام حالات میں وہ تمام مذہبی رسومات جو طویل عرصے سے چلی آ رہی ہیں، انہیں چھوٹی چھوٹی وجوہات کی بنا پر ریاستی حکومت کی طرف سے روکا نہیں جا سکتا۔ خاص طور پر تب جب رسومات طرز عمل معاشرے میں ثقافتی ہم آہنگی کو فروغ دیتی ہوں۔ عدالت نے کہا کہ اس معاملے میں ۱۷ مئی کو منظور کیے گئے عبوری حکم کے تحت کیے گئے انتظامات کے دوران امن اور ہم آہنگی کو برقرار رکھا گیا تھا، اس لیے مقررہ تاریخوں پر عرس یا میلے کے انعقاد سے متعلق ریاستی حکومت کے تمام خدشات بھی بے بنیاد ثابت ہوئے ہیں۔ جسٹس اے آر مسعودی اور جسٹس سبھاش ودیارتھی کی ڈویزن بنچ نے وقف نمبر ۱۹ درگاہ شریف، بہرائچ اور دیگر کی جانب سے دائر درخواست پر یہ حکم دیا۔

اس درخواست میں ضلع مجسٹریٹ کی جانب سے درگاہ پر سالانہ عرس کی اجازت دینے سے انکار کو ہائی کورٹ میں چیلنج کیا گیا تھا۔ عدالت نے ۱۷ مئی کو فیصلہ محفوظ کر لیا تھا۔ ریاستی حکومت نے دلیل دی تھی کہ درگاہ شریف کے آس پاس کا علاقہ انتہائی حساس ہے، یہ نیپال کی کھلی سرحد سے متصل ہے، پہلگام میں سیاحوں پر ہولناک حملے کے پیش نظر اور سرحد سے آنے اور جانے والے ہندوستانی ہجوم میں ملک دشمن اور مشکوک عناصر کی دراندازی کا قوی امکان ہے۔ عدالت نے اپنے حکم میں کہا تھا کہ ریاستی حکومت نے حالات کو دیکھتے ہوئے اور خفیہ اطلاعات کی بنیاد پر عرس کی اجازت دینے سے انکار کر دیا تھا، لیکن اب یہ حکم غیر موثر ہو گیا ہے، کیوں کہ میلے کی مدت ختم ہو چکی ہے۔ اس عدالت کے منظور کردہ عبوری انتظام نے، جس میں مذہبی رسومات کو ادا کرنے کی اجازت دی گئی تھی، نے ریاستی حکومت کے تمام خدشات دور کر دیے ہیں۔ عدالت نے درگاہ شریف کی انتظامی کمیٹی کو آئندہ بھی عرس اور میلے کا موثر انتظام کرنے اور داخلی مقامات اور دیگر اہم مقامات پر سی سی ٹی وی کیمرے نصب کرنے کی ہدایت کی۔

(بشکریہ روزنامہ راشٹریہ سہارا، دہلی ۲۰ رجولائی ۲۰۲۵ء)